اَلْقَبَسُ الْمُبِيْنُ فِي تَقْرِيْرَاتِ النُّوْرِ الْمُبِيْنِ

اعداد

مجلس جامعات المدینہ للبنات

صلى الله عليه وسلم

مقدمہ

يَاوَاجِبَ الْوُجُوْدِ، وَيَا مُفِيْضَ الْخَيْرِ وَالْجُوْدِ عَلىٰ كُلِّ مَوْجُوْدٍ، وَيَا غَايَةَ كُلِّ مَقْصُوْدٍ! خَصِّصْ سَيِّدَ أَنْبِيَآئِكَ، وَأَكْرَمَ أَوْلِيَآئِكَ وَأَصْفِيَائِكَ مُحَمَّدَ نِ الْمَبْعُوْثَ إِلَى الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ صَلىَّ اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَفْضَلِ صَلَوَاتِكَ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ بِأَطْيَبِ تَحِيَّاتِكَ.

أَمَّا بَعْدُ: اللہ تعالیٰ کی معرفتِ بُرہانیہ ہر عاقل بالغ مسلمان مرد وعورت پر حسبِ حال واجب ہے؛ کیونکہ مخلوق کیلئے اس کا "وجود" ایک بہت بڑا انعام ہے؛ کہ اللہ عزوجل نے اُسے عدم (نہ ہونا) کے اندھیرے سے نورِ وُجود کی طرف نکالا ہے۔ اس لیے حکماء نے کہا کہ: "وجود" تمام نعمتوں کی اصل ہے؛ کیونکہ تمام نعمتوں سے تنعّم (لطف اندوز ہونا، نفع اٹھانا) وصفِ وجود ہی کا مرہون منت ہے۔

تو معلوم ہوا کہ وجود نعمت عظیمہ ہے اور بات بھی شرعا وعقلا ثابت ہے کہ ہر نعمت کا شکر مُنْعَمٌ عَلَيْهِ (یعنی بندے) پر بھی عقلا واجب ہے[1]۔ اور شکر کا تحقق (ثبوت) اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ اس نعمت کو بندہ جانتا ہو؛ کیونکہ مجہول کی طرف توجہ عقلا ممنوع ہے كَمَا تَقَرَّرَ فِي الْفَلْسَفَةِ الْإِلٰـهِيَّةِ[2] اور وجود باری تعالی کے مصداق کی معرفت تو حاصل نہیں ہو سکتی ؛کیونکہ اس کی ذات ذِهْناً وَ خَارِجاً بسیط ہے اور بسیط مکتسب نہیں ہوتا (یعنی اس سے کسی چیز کا حصول نہیں ہوتا)[3]۔

اب تک جو عرض کیا وہ عقل کا فتویٰ تھا جبکہ قرآن کریم اور احادیث مصطفیٰ ﷺ کا باغور مطالعہ کریں تو وہ وجود باری تعالی کی معرفت کی تحصیل پر زور دیتا ہے باری تعالیٰ نے فرمایا: (وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ) [الذّاريات:٢١] یعنی اپنے

---

(١)- مسلم الثبوت لمحب الله البهاري: ١/ ٢٧، مطبوع بالطبعة الحسينية بمصر.

(٢)- مجموعة الحواشي البهية على شرح العقائد النسفية : ٢/ ٢١٠، تقريب المرام شرح تهذيب الكلام للسنندجي، ١/ ١٩٩.

(٣)- قاضي مبارك شرح سلم العلوم : ١٠ مطبوع من المكتبة الرشيدية.

وجودات میں تم غور و تفکر کیوں نہیں کرتے ؟ اور فرمایا : (مَنْ جَاهَدَ فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّ سُبُلَنَا) [العنكبوت:٦٩] یعنی جس نے ہماری راہ میں جدو جہد کی (تو) ہم ضرور ضرور اس پر اپنی راہیں کھول دینگے۔

جب یہ آیت کریمہ (إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيْفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْـمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ) [البقرة:١٦٤] نازل ہوئی تو حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا:(وَيْلٌ لِـمَنْ لَاكَهَا وَلَـمْ يَتَفَكَّرْ فِيْهَا)[1] یعنی : اس کیلئے خرابی ہے جس نے اس کو پڑھا اور اس میں غور نہ کیا۔

یہاں بظاہر قرآن و حدیث اور عقل کے مقتضی میں تناقض ہے کہ عقل کہتی ہے کہ وجود باری تعالی کی حقیقت جان نہیں سکتے اور شرع کہتی ہے کہ دلائل میں غور وخوض کرکے اس کی معرفت حاصل کرو لیکن درحقیقت کوئی تناقض نہیں ؛کیونکہ عقلا جس معرفت کا امتناع مفہوم ہورہا ہے وہ معرفت ذاتیہ ہے یعنی اس کی ذات کی حقیقت کو جاننا جیسی کہ وہ نفس الامر میں ہے۔اور یہ حق ہے کہ ہم اسے حاصل کرنے سے عاجز ہیں اور جن احادیث میں ذات باری تعالی میں غور و فکر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے جیسے وہ حدیث جسے ابن ماجہ اور ابوالشیخ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت کیا کہ (مَرَّ النبيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِقَوْمٍ يَتفكَّرُونَ في اللهِ، فَقالَ: «تَفكَّرُوا في الخَلْقِ ولا تَتفكَّرُوا في الخالِقِ؛ فَإنَّكم لا تَقْدِرُونَهُ») یعنی نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو اللہ تعالی کے بارے میں غور و فکر کررہی تھی ‘ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مخلوقات میں تفکر کرو ‘ خالق میں تفکر نہ کرو؛ کیونکہ تم اس کے عرفان کی قدرت نہیں رکھتے۔

اور وہ آیات جن میں ذات باری تعالی پر استدلال کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد معرفت برہانیہ ہے یعنی ان چیزوں کو جاننا جو باری تعالی کیلئے واجب ہیں جیسے اس کا قدیم ہونا ‘ اس کا واحد ہونا ‘ اس کا علیم ہونا وغیرہا اور جو چیزیں اس کے

---

(١)- صحيح لابن حبان، ٦٢٠ وإسناده صحيح على شرط المسلم.

حق میں محال ہیں جیسے اس کا جوہر ہونا، اس کا عرض ہونا، اس کا محدود نہ ہونا، وغیرہا اور جو چیزیں ممکن ہیں جیسے اس بروز حشر مرئی ہونا، اس کا اہل تقویٰ کو محض اپنے فضل سے داخل جنت فرمانا، اہل کفر کو اپنے عدل محض سے داخل جہنم فرمانا، پل صراط قائم فرمانا وغیرہا۔ جب معرفت کے مصادیق مختلف ہوگئے تو تناقض نہ ہوا؛ کیونکہ تناقض تو تب ہوتا جب نفی اور اثبات دونوں کا محل ایک ہی ہوتا اور ایسا نہیں ہے(۵)۔

(۱)- أنظر للتفصيل إلى المعتقد المنتقد مع شرحه المستند المعتمد، ص:۱۳ مطبوع بـ رضا الأكاديمية بهند.

"معرفت برہانیہ کی تحصیل میں مدارس اسلامیہ "

اس کی تحصیل میں بنیادی طور پر پانچ مدارس مشہور ہیں :

(1) : **مدرسہ متکلمین** : وہ اسلامی گروہ جو معرفتِ برہانیہ کی تحصیل عقل کے ذریعے کرے لیکن اس میں بھی قانون اسلام کی مکمل رعایت کیساتھ ۔ مشہور آئمہ متکلمین کے نام : امام ابوالحسن اشعری، امام ابو منصور ماتریدی، امام فخرالدین رازی، امام الحرمین جوینی، امام غزالی، امام باقلانی، وغیرہم

خصوصیت استدلال : اس مدرسہ کا منہج استدلال یہ ہے کہ بحث و مباحثہ میں عقل کو مطلق نہیں چھوڑا جاتا۔[١]

(2) : **مدرسہ مشائین** : وہ اسلامی فلسفی گروہ جو معرفت برہانیہ کی تحصیل میں نظر و فکر کے استدلالات کو شرع شریف کے حدود سے محدود نہیں کرتا، بلکہ اپنے استدلال کو شریعت کی قید سے آزاد رکھتا ہے جیسے ابو نصر الفارابی، ابو علی سینا، خواجہ نصیرالدین الطوسی، میر باقر داماد وغیرہم۔

خصوصیاتِ مدرسہ مشائیہ : اس مدرسہ کی تین خصوصیات ہیں :

(1) : مسائل کی تحقیق میں عقلی طرز کو لازمی طور پر اختیار کرنا اس مدرسہ کا خاصہ ہے، یہاں تک کہ وہ مسائل جن کا تعلق سیاست اور اخلاق سے ہے، اس میں بھی یہ مدرسہ عقلی حاکمیت رکھتا ہے یعنی عقل سے سیاست اور اخلاق کے مسائل حل کرتا ہے۔

---

(١)- شرح المواقف للسيِّد، ١/ ٢١.

(2) : مسائلِ الٰہیات[٧] کا خصوصی اہتمام بھی اس مدرسہ کا وتیرہ ہے اور علم الٰہی (فلسفہ اُولیٰ) کے مباحث کو اپنے استدلالات میں دخل دینا اس مدرسہ کا طریقہ ہے جیسا کہ "اشارات" و "شفاء[8]" کا مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

(3) : مباحث فلسفیہ کو انسانی زندگی میں تطبیقی حیثیت سے داخل کرنے کا سہرا بھی اِس مدرسہ کے سر ہے، یہی وجہ ہے کہ متقدمین کی کتب میں "فلسفہ تہذیب الاخلاق" و "فلسفہ تدبیر منزل" اور "فلسفہ سیاست مدنیہ" کے مباحث شامل ہوتے ہیں، جن کی اہمیت ایک باشعور انسان پر پوشیدہ نہیں۔ اور شک نہیں کہ اخلاقیات کو اگر براہِ عقل و نظر سمجھ لئے جائیں تو انسانی زندگی سے تکلف و تصنع دفع ہو جاتا ہے۔

---

(٢) - الھیات الھی کی جمع ہے، عرف حکماء میں ہر موجود مجرد کو الھی کہتے ہیں خواہ وہ واجب ہو یا ممکن، اس علم میں اشیاء کے اسباب اولیہ سے بحث کی جاتی ہے جیسے موجود ہونا، مقدم ہونا، موخر ہونا، حادث ہونا، قدیم ہونا وغیرہا۔ تو معلوم ہوا کہ اس علم میں ہمیشہ ان چیزوں سے بحث ہوتی ہے جو کسی وجود میں مادہ کی محتاج نہیں، وجود ذھنی میں نہ ہی وجود خارجی میں۔ میری عمر کی قسم صنعت فلسفیہ میں سب سے لطیف یہی فن ہے۔

(2) – "الإشارات" شیخ الرئیس ابن سینا کی تصنیف ہے جو علم منطق، علم طبعیات، اور علم الٰہیات کے بیان پر مشتمل ہے اور فلسفہ مشائیہ میں امہات کتب کا درجہ رکھتی ہے۔ سب سے پہلے امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی شرح تحریر فرمائی پھر آپ کے بعد مشہور شیعہ عالم اور ہلاکو خان کا وزیر و مشیرِ اخص نصیر الدین طوسی نے اس کی شرح تحریر کی جو در حقیقت امام رازی پر تنقیدات کا انسائکلوپیڈیا تھی، اس کے بعد صاحبِ قطبی امام قطب الدین رازی اشعری قدس سرہ نے ایک کتاب بنام "المحاکمات" تحریر فرمائی، جس میں نصیر طوسی کے امام رازی پر وارد کردہ اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور دونوں علماء کی آراء کے درمیان محاکمہ کیا اسی لئے اسے محاکمات کہتے ہیں۔ محاکمات پر کئیں علمائے ہند نے حواشی پر تحریر فرمائے جس میں فاضل مرزاجان قدس سرہ کا حاشیہ قابل مطالعہ ہے۔

(3) : **اشراقیین** : وہ اسلامی گروہ جو مقاصد کی تحصیل نظر و فکر کے بجائے تصفیہ قلبی ' زہد و مجاہدات سے پیدا ہونے والے نور سے کریں ' اور اس میں حدود شریعت و قوانین اسلام کی رعایت نہ کریں ' جیسے شیخِ مقتول شہاب الدین سہروردی ' وغیرہما۔

منہج مدرسہ اِشراقیہ نُوریہ : اس مدرسہ کی بھی درج ذیل زبردست خصوصیات ہیں جو عالمِ عقلیات میں اپنے مقام کا تعین کرتی ہیں :

(1) : عقل و کشف کا امتزاج اس مدرسہ کی بڑی خاصیت ہے؛ شیخ سہروردی کے نزدیک علومِ الٰہیہ اور معارف حقیقیہ کی تحصیل صرف اس وقت ہوگی جس انسان دنائس (باطنی بیماریوں) سے اپنے نفس کی تہذیب کرلے ' عالم قُدس (عالم روحانیات) تک لے جانے والے امور پر مداومت (ہمیشگی) اختیار کرلے جس میں ریاضاتِ شاقہ ' و عبادات مستمرہ ' سب شامل ہیں

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ روحانیات کی تحصیل میں عقلی منہج کو ترک کردیا جائے اور بغیر تجرید عقلی[9] کے ریاضات شاقہ میں مشغول ہوجائیں بلکہ عقلی منہج کی تحصیل اس حصولِ کشف کی تحصیل پر مقدم ہے اور اس مقصد کو پانے کا عظیم ذریعہ ہے۔ بغرضِ اطمینانِ خاطر شیخِ اشراق کا قول ملاحظہ فرمائیں : "إِنَّه لَايُمْكِنُ فَهْمُ حَقِيْقَةِ الْحِكْمَةِ الإِشْرَاقِيَّةِ مَا لَمْ يَكُنِ الْحَكِيْمُ مَاهِراً فِي الْعُلُوْمِ الْبَحْثِيَّةِ وَالْمَنَاهِجِ الِاسْتِدْلَالِيَّةِ الْبُرْهَانِيَّةِ" یعنی جب تک حکیم (علم حکمت کا ماہر) علوم عقلیہ و مناہج استدلال میں ماہر نہیں ہوتا ' اس وقت تک فلسفہ اشراقیہ کی حقیقت کو سمجھنا اس کے لئے ممکن نہیں[١٠]۔

اور تحصیلِ عقلی کے تحصیلِ کشفی پر تقدم کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شیخ اِشراق طلباء کو اپنی مایہ ناز کتاب "حکمۃ الاشراق" کے مطالعہ سے پہلے فن منطق کی تصنیفات جیسے "تلویحات" پھر "المشارع والمطارحات" پڑھنے کی نصیحت کرتے ہیں کہ اولا طالب علم "تلویحات" اور "مطارحات" پڑھے پھر "حکمہ الاشراق" پڑھے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ صدرالدین شیرازی نے اسے عارفین اور اہل ذوق کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے[١١]۔

---

(9)- تجرید عقلی سے مراد یہ ہے کہ عقل کو وہم اور شکوک اور جو چیزیں ادراک کے منافی ہیں جیسے نیند ' بے ہوشی ' غفلت وغیرہا سے مکمل پاک کرلینا۔ دیکھیں شرح المواقف للسید شریف۔

(١٠)- شيرازي، المبدأ و المعاد، ص ١٩١، بتقديم و تصحيح السيد جلال الدين آشتياني، ومقدمة السيد نصر حسين.

(١١)- ديناني، غلام حسين إبراهيمي، فلسفة السهروردي، ص ٤٧، منشورات الحكمة بالفارسية.

(2) : فطری ذوق و صفائے باطن پر زور اس مدرسہ کے نصاب کا حصہ ہے۔ علمائے اشراق فرماتے ہیں : (وَأَمَّا أَنْتَ إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَكُوْنَ عَالِماً إِلهيًّا مِنْ دُوْنَ أَنْ تَتْعَبَ وَ تُدَاوِمَ عَلَى الْأُمُوْرِ الْمُقَرِّبَةِ مِنَ الْقُدُسِ، فَقَدْ حَدَّثْتَ نَفْسَكَ بِالْمُمْتَنِعِ، أَوْ شَبِيْهِ الْمُمْتَنِعِ، فَإِنْ طَلَبْتَ وَ اجْتَهَدْتَ لَا تَلْبَثْ زَمَاناً طَوِيْلاً إِلَّا وَ تَأْتِيْكَ الْبَارِقَةُ النُّوْرَانِيَّةُ وَسَتَرْتَقِيْ إِلَى السَّكِيْنَةِ الْإِلٰهِيَّةِ الثَّابِتَةِ).

یعنی اگر تو بغیر تھکے اور ریاضات شاقہ کے بغیر عالم الٰہی بننا چاہتا ہے تو یہ محال یا محال کے مشابہ ہے۔اور اگر تو طلب اور محنت کرے تو زیادہ وقت نہیں لگے گا کہ ایک نورانی چمک تیرے پاس آئے گی اور تو سکینہ الٰہیہ کی طرف صُعود کرے گا[12]۔

(3) : "قرآن کریم اور سنت کریمہ کے ظواہر پر اعتماد" اس مدرسہ کی خاصیت ہے اور اہلِ اشراق قرآن و سنت کے ظواہر سے انحراف کو قبیح سمجھتے ہیں۔ شیخ اشراق "رسالہ حکمت التصوف" میں فرماتے ہیں: أُوْصِيْكُمْ إِخْوَانِيْ بِحِفْظِ أَوَامِرِ اللهِ، وَنَوَاهِيْهِ. والتوجُّهِ إلى اللهِ مَوْلَانَا نُوْرِ الْأَنْوَارِ – بِالْكُلِيَّةِ – وَتَرْكِ مَا لَايَعْنِيْكُمْ مِنْ قَوْلٍ أَوْ فِعْلٍ، وَقَطْعِ كُلِّ خَاطِرٍ شَيْطَانِيٍّ.

یعنی میں اپنے دینی بھائیوں کو اللہ تعالی کے احکام پر عمل ‘اس کے منع کردہ کاموں سے اجتناب ‘اور اس کی طرف توجہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں جو کہ بالکلیہ نور ہے‘ (اور انہیں وصیت کرتا ہوں کہ) وہ لغویات (خواہ قول ہو یا فعل) سے اعراض کریں اور ہر شیطانی وسوسے سے دور رہیں۔

(4) : وجود کے طبعی مقتضیات کا کامل لحاظ بھی اس مدرسہ کا خاصہ ہے۔اسی لئے وہ نظریات جسے افلاطون نے ذکر کیے‘ ان کا اہتمامِ بالغ یہ مدرسہ کرتا ہے جیسے نظریہ مُثُلِ افلاطونیہ[13]‘ نظریہ روح‘ وغیرہما۔

تو معلوم ہوا کہ یہ فلسفہ عقل‘ شُہود‘ قرآن کریم اور سنت نبی ﷺ کا عقلی منہج پر حسین سنگم ہے

---

(١٢)- شعاع أنديشه در فلسفة سهروردي ص : ٤٧، منشورات الحكمة بالفارسية.

(13)- افلاطون نے کہا کہ خارج میں ہر نوع کا ایک ایسا فرد پایا جاتا ہے جو مقدس عن المادۃ اور ازلیت اور ابدیت سے متصف ہوتا ہے مثلاً زید ایک نوع ہے تو اس کی مثل ایک فرد مجرد عن المادہ ازلی و ابدی بھی ہے۔اور ان کا محل و مقام علم باری تعالی ہے‘ جیسا کہ فارابی نے افادہ کیا‘ شیخ مقتول کہتے ہیں : عالم عقول میں انواع جسمانیہ میں سے ہر ایک نوع کا ایک فرد مجرد ہے جو اس فرد کی تدبیر کرتا ہے‘ عرف شرع میں اسے "ملک الجبال" و "ملک بحار" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ دیکھو تفصیل کیلئے : سلک النظام شرح جواہر الکلام ص : 161 مطبوع دار النور المبین اردن مع حواشی امام احمد رضا خان قدس سرہ علی شرح المواقف ۔

(4) : **صُوفیائے کرام** : وہ اسلامی گروہ جو حقائق کی تحصیل نظر و فکر کے بجائے تصفیہ قلب، زہد، مجاہدات شاقہ سے حاصل ہونے والے نور سے کریں اور قوانین شرع شریف کی رعایت بھی ہو جیسے شیخ عبدالقادر الجیلانی، شیخ شہاب الدین السہروردی، شیخ بایزید البسطامی، شیخ سہل بن عبداللہ التستری وغیرہم۔ نَفَعْنَا اللهُ تَعَالٰی مِنْ مِشْكَاةِ عُلُوْمِهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

منہج صوفیائے کرام : تمام علمائے تصوف کا مطمح نظر یہ ہے کہ انسان حدود شرع میں رہتے ہوئے اپنے نفس کو رزائل سے پاک کرے ؛تاکہ وہ انوار و تجلیات کو قبول کرسکے ؛کیونکہ انسان مادی ہے اور جس جہاں میں یہ رہتا ہے سب مادیات پر مشتمل ہے اور امور مادیہ کو کثافت لازم ہے جبکہ روحانیات کا مقتضی اس مادیت سے تجرد خالص ہے تاکہ لطیف ہوسکے اور یوں کثیف لطیف سے مطابقت حاصل کرلے۔ صوفیائے کرام نے اس کثافت کو لطافت میں تبدیل کرنے کیلئے مختلف مدارس تہذیب وضع فرمائے ہیں :

حضرت سید علی بن عثمان جلابی المعروف حضور داتا گنج بخش ہجویری عَلَیْہِ رَحمَۃُاللہِ القَوِی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب کَشْفُ الْمَحْجُوب میں صوفیوں کے جن 12 گروہوں کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ سب تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ رَحْمَۃُاللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں کہ صوفیوں کے بارہ گروہوں میں سے دو گروہ مردود اور دس مقبول ہیں

ان مقبول گروہوں میں ایک گروہ محاسبیوں کا، دوسرا قصاریوں کا، تیسرا طیفوریوں کا، چوتھا جنیدیوں کا، پانچواں نوریوں کا، چھٹا سہیلیوں کا، ساتواں حکیموں کا، آٹھواں حرازیوں کا، ن واں خفیفیوں کا اور دسواں ستاریوں کا ہے۔ یہ دسوں گروہ محقق اور اہل سنت و جماعت ہیں لیکن وہ دو گروہ جو مردود ہیں ان میں سے ایک حلولیوں کا جو حلول و امتزاج سے منسوب ہے اور سالمی اور مشبہ ان سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرا گروہ حلاجیوں کا ہے جو ترک شریعت کے قائل ہیں، انہوں نے الحاد کی راہ اختیار کی جس سے وہ ملحد و بے دین ہوگئے، اباحتی و فارسی گروہ بھی ان ہی سے متعلق ہیں۔

(1) ... مُحاسبیہ :

اس گروہ کے پیشوا حضرت سیِّدُنا ابو عبد اللہ حارث بن اسد محاسبی عَلَیْہِ رَحمۃُاللہِ القَوِی (متوفی ۲۴۳ھ) ہیں ۔ آپ کے مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رضائے الٰہی کو مقام کے بجائے طریقت کا ایک حال سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے : کہ **رضا احکامِ الٰہی کے نفاذ پر دل کے مطمئن رہنے کا نام ہے** اور دل کا سکون واطمینان اختیاری عمل نہیں بلکہ وہبی و عطائی ہے۔اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ رضا ایک مقام نہیں بلکہ حال ہے کیونکہ یہ مجاہدے و ریاضت کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا بلکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

(2) ... قِصَاریہ :

اس گروہ کے پیشوا حضرت سیِّدُنا ابو صالح بن حمدون بن احمد بن عمارہ قصار عَلَیْہِ رَحمۃُاللہِ السَّتَّار (متوفی ۲۷۱ھ) ہیں 'ان کا مسلک و مشرب ملامت کی نشر و اشاعت ہے۔آپ رَحمۃُاللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرمایا کرتے کہ : لوگوں کو جتانے کے مقابلہ میں تمہارا علم اللہ عَزَّوَجَلَّ کے متعلق بہت بہتر سے بہتر ہونا چاہیے' یعنی خلوت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے ساتھ تمہارا معاملہ اس سے بہتر ہونا چاہیے جو تم لوگوں کے ساتھ ظاہر میں کرتے ہو کیونکہ راہِ حق میں سب سے بڑا حجاب یہ ہے کہ تمہارا دل لوگوں کے ساتھ مشغول ہو۔

(3) ... طَیفُوریہ :

اس گروہ کے پیشوا و امام حضرت سیِّدُنا ابو یزید طیفور بن سروشاں بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی (متوفی ۲۶۱ھ) ہیں۔ آپ کا طریقہ غلبہ و سکر ہے۔ خلیفۂ مفتی اعظم ہند شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد ال **مصطفٰی** اعظمی عَلَیْہِ رَحمۃُاللہِ القَوِی مَعْمُولَاتُ الْاَبرار میں فرماتے ہیں کہ وہ مشائخ جو بادۂ عرفانِ الٰہی سے اس درجہ مخمور وسرشار ہوجاتے ہیں کہ غلبۂ احوال وکیفیات میں دامن عقل وہوش تارتار کردیتے ہیں اور دنیائے بیداری و ہشیاری سے بیزار ہوکر مستی ومدہوشی کے عالم میں رہتے ہیں ۔ان بزرگوں کو **"اربابِ سکر"** کے نام سے یاد کیا جاتاہے۔

(4) ... جُنَیدِیہ :

اس گروہ کے پیشوا حضرت سیِّدُنا ابو القاسم جنید بن محمد بغدادی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ الۡہَادِی (متوفی ۲۹۷ھ) ہیں ۔ آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کا طریقہ حضرت سیِّدُنا بایزید بسطامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی کے اُسلوبِ طریقت سکر کے برعکس ہے۔ یعنی آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ صحو کے قائل تھے اور باطن کا مراقبہ آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کے گروہ کا امتیاز ہے۔ خلیفۂ مفتیٔ اعظم ہند شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا عبد ال**مصطفٰے** اعظمی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللہِ الۡقَوِی معمولاتُ الابرار میں فرماتے ہیں کہ اکثر صوفیہ ایسے گزرے ہیں کہ معرفتِ الٰہی و وصالِ حقیقی کی دولت سے مالامال ہونے کے بعد ان کو مِنۡجَانِبِ اللہ ایسے وسیع ظرف سے نوازا گیا کہ کیفیات واحوال سے مغلوب ہوکر دامن ہوش وخرد ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور ان کی بیداری وہوشیاری میں ایک لمحہ کے لئے بھی فتور نہیں پیدا ہوا۔ یہ لوگ **"اربابِ صحو"** کہلاتے ہیں ۔ ([3])

(5) ... نُورِیہ :

حضرت سیِّدُنا ابو الحسن احمد بن محمد نوری رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ (متوفی ۲۷۵ھ) اس گروہ کے پیشوا ہیں ۔آپ کے مذہب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کے نزدیک تصوف، فقر سے افضل ہے۔ نیز آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ صحبت میں اپنے رفیق کے حق کو اپنے حق پر ترجیح دیتے اور ایثار کے بغیر صحبت کو ہی حرام سمجھتے اور فرمایا کرتے کہ درویشوں کے لیے صحبت فرض اور گوشہ نشینی ناپسندیدہ ہے، نیز آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ فرماتے کہ ایک ہم نشیں پر دوسرے ہم نشیں کے لیے ایثار فرض ہے۔

(6) ... سُہَیلِیہ :

اس طبقہ کے پیشواو سرخیل حضرت سیِّدُنا سہل بن عبداللہ تستری رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ (متوفی ۲۸۳ھ) ہیں ۔ یہ تصوف میں اپنے زمانے کے سلطانِ وقت اور طریقت میں اہل حل وعقد اور صاحب اسرار تھے۔آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کے دلائل بہت واضح اور حکایات فہم عقل سے بہت بلند ہیں ۔آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کے مذہب کی خصوصیت اجتہاد، مجاہدۂ نفس اور ریاضت شاقہ ہے۔ مریدوں کو مجاہدے سے درجہ کمال تک پہنچا دیتے تھے۔ چنانچہ، آپ رَحۡمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ کے واقعات میں مشہور ہے کہ ایک مرید سے فرمایا: خوب جدو جہد کرو یہاں تک کہ پورا دن یااللہ یا اللہ ہی کہتے رہو۔ پھر فرمایا: اب دن کے ساتھ رات بھی شامل کرلو اور یہی کہتے رہو۔ چنانچہ مرید نے اس پر عمل کیا اور سوتے جاگتے یہی کہتا رہا یہاں تک کہ یہ اس کی طبعی عادت بن گئی۔اس کے بعد فرمایا: اب اس سے لوٹ آؤ اور یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاؤ۔ اس مرید کی حالت یہ ہو گئی کہ وہ ہمہ وقت اسی میں مستغرق رہنے لگا، ایک دن اپنے گھر میں تھا کہ ہوا کی وجہ سے ایک

وزنی لکڑی گری جس نے اس کا سر پھاڑ دیا۔ سر سے خون کے جو قطرے ٹپک کر زمین پر گرتے تھے وہ بھی اللہ اللہ لکھتے جاتے تھے۔

الغرض مجاہدے و ریاضت کے ذریعہ مریدوں کی تربیت سہیلیوں کا طریقہ ہے اور صاحبِ قوت القلوب حضرت سیِّدُنا شیخ ابو طالب مکی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُاللّٰہِ الۡقَوِی کا تعلق بھی اسی گروہ سے ہے۔

(7) ... حِکۡمِیہ :

اس گروہ کے پیشوا حضرت سیِّدُنا ابو عبد اللہ محمد بن علی حکیم ترمذی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُاللّٰہِ الۡقَوِی (متوفی ۳۲۰ھ) ہیں۔ ان کے مذہب کی خصوصیت اثباتِ ولایت اور اس کے قواعد و درجات کا بیان ہے' آپ رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ حقیقت کے معانی اور اولیا کے درجات اس ترتیب اور ایسے انداز سے واضح فرماتے گویا کہ وہ ایک بحر بے کنار ہوں۔ آپ رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ کے مذہب کی ابتدائی وضاحت یہ ہے کہ آپ رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ ہر شخص کو یہ بتانا اور سکھانا چاہتے تھے کہ اولیائے کرام رَحِمَہُمُ اللّٰہُ السَّلَام کی شان یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کو مخلوق میں سے چن لیتا ہے اور انہیں ہر قسم کے دنیاوی تعلقات سے منقطع فرمانے کے ساتھ ساتھ نفسانی خواہشات کے تقاضوں سے بھی آزادی کا پروانہ عطا فرما دیتا ہے۔

(8) ... خَرَّازِیہ :

اس طبقہ کے بانی و پیشوا حضرت سیِّدُنا ابو سعید خرازی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ (متوفی ۲۷۷ھ) ہیں۔ فنا و بقا کے حال پر سب سے پہلے آپ نے گفتگو فرمائی اور طریقت کے تمام رموز کو آپ نے ان دو کلموں میں پوشیدہ فرما دیا۔ چنانچہ' آپ فرماتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ بندہ اپنی بندگی کی دِید سے فانی ہو اور بقا یہ ہے کہ بندہ مشاہدۂ حق سے باقی ہو۔

(9) ... خَفِیفِیہ :

اس گروہ کے پیشوا حضرت سیِّدُنا ابو عبد اللہ محمد بن خفیف شیرازی رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ (متوفی ۳۷۱ھ) ہیں۔ آپ رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ کے مسلک و مشرب کا اصلِ اصول غیبت و حضور ہے۔

(10) ... سَیَّارِیہ :

یہ طبقہ حضرت سیِّدُنا ابو العباس سَیاری عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُاللّٰہِ الۡبَارِی (متوفی ۳۴۲ھ) سے تعلق رکھتا ہے۔ آپ رَحۡمَۃُاللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ کے مذہب کی بنیادی خصوصیت جمع و تفرقہ ہے۔[14]

---

(١٤)- قوت القلوب ج: ١، ص: ١٤ مكتبة المدينة.

(5) : **حکمائے مُتَأَهِّلِيْنَ**: وہ گروہ جو مقاصد کی تحصیل ایسے منہج سے کریں جو معقول و عرفان (تصوف) کا سنگم ہو۔ جیسے

مدرسہ ملاصدر الدین شیرازی جسے "ملاصدرا" کے لقب سے بھی کتب معقولات میں یاد کیا جاتا ہے۔

منہج حکمائے متاہلین : اس منہج کی بھی چند خصوصیات ہیں :

(1) : بُرہان اور وِجدان کو جمع کرنا اس مدرسہ کا خاصہ ہے کہ حکمتِ متعالیہ عقل و شہود اور مشاہدہ کو اپنی بنیاد قرار دیتی ہے' لیکن حکمائے مشائیہ کے طریقہ پر نہیں جو عقل پر بالکلیہ اعتماد کرتے ہیں' اور نہ ہی مخصوص صوفیاء کی طرح جو عقل کو دشمن سمجھتے ہیں' بلکہ حکمت متعالیہ منکرین کشف پر بھی ایسے ہی رد کرتی ہے جیسے منکرین عقل و برہان۔

(2) : بحثِ فلسفی کو شہودِ وجدانی پر مقدم کرنا بھی اس کا خاصہ ہے۔ اور یہ تقدیم بوجہ شفقت بر متعلّمین ہے؛ کیونکہ طالب علم کبھی مشاہدہ پر اکتفاء و قناعت نہیں کرتا اور جیسے اس پر دلیل عقلی پیش کی جاتی ہے تو اسے فوراً قبول کرلیتا ہے۔

(3) : شریعت اور عقل کے مابین مطابقت اس مدرسہ کا وہ خاصہ ہے جو اسے دیگر مدارس سے نتائج کے اعتبار سے ممتاز کردیتا ہے

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ معرفت بُرہانیہ کی تحصیل میں اسلامی فرقے مختلف ہیں؛ کیونکہ معرفت مذکورہ کی تحصیل بذریعہ بحث واستدلال ہوگی یا بذریعہ کشف و عیان۔

اگر معرفت برہانیہ کی تحصیل بحث واستدلال کے منہج پر ہو تو اس میں شریعت کی موافقت ہوگی نہیں یا نہیں' اگر اس میں شریعت کی موافقت ہو تو "**متکلمین**" ورنہ "**مشائین**"۔

اگر معرفت برہانیہ کی تحصیل کشف و عیان کے منہج پر ہو تو اس میں شریعت کی موافقت ہوگی نہیں یا نہیں' اگر اس میں شریعت کی موافقت ہو "**صُوفیائے کرام**" ورنہ "**اشراقیین**"۔

اور جو ان سب فلسفوں کا جامع ہو وہ حکمت متعالیہ اور اس کے حکماء "**حکمائے متاہلین**" کہلاتے ہیں۔

علم الکلام کی اشرفیت

علم کی اشرفیت متعدد وجوہات سے متحقق ہوتی ہیں ' اور علم الکلام بھی ایک علم ہے تو اس کی اشرفیت کی بھی کئیں وجوہ ہیں :

(1) : **معلوم کی اشرفیت** : معلوم کی اشرفیت ،علم کی شرافت کو مستلزم ہے ۔علم الکلام میں معلوم ذات باری تعالی اور اس کی صفات ازلیہ اور اس کی صفات فعلیہ کی کیفیات ہیں۔اور شک نہیں کہ یہ موجودات میں سے سب سے زیادہ جلیل القدر ہیں۔ نظرِ براں (لہٰذا) معلوم ہوا کہ علم الکلام جمیع علوم سے اشرف ہے۔

(2) : **دلائل کی پختگی** : علم الکلام میں وہ دلائل استعمال کئے جاتے ہیں جو بدیھی ہوتے ہیں یا بدیھی کو مستلزم ہوتے ہیں (یعنی ان دلائل کی انتہاء کسی امر بدیہی تک ہوتی ہے)۔اور بداہت کی وثاقت و متانت میں کسی صاحب عقل سلیم کو شک نہیں۔

(3) : **علم کی طرف کثرت احتیاج** : یعنی اُس علم کی طرف انسان کی محتاجی بہت زیادہ ہو۔شک نہیں کہ فنِ کلام بھی اسی قبیل سے ہے؛کیونکہ سعادتِ اُخرویہ کا حصول ہر انسان کو عزیز اور مقصود ہے۔اور اس سعادت کا حصول خدا و رسول ﷺ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے پر موقوف ہے ' اور اس کی کما ینبغی تحصیل علم الکلام کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ایمان باللہ و رسول ﷺ بغیر علم الکلام کے تام (مکمل) نہیں ہوسکتا۔تو ثابت ہوا کہ اس زمانے میں سعادت آخرت کا دار و مدار علم الکلام کی تعلیم پر ہے۔

(اس مقام پر ایک شبہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنھم نے علم الکلام حاصل نہ فرمایا تو ہم کیوں حاصل کریں؟ تو اس کا تحقیقی جواب تیسرے شبہ کے جواب میں آ رہا ہے۔) اور علم الکلام سعادت دنیویہ کے حصول کا بھی ذریعہ ہے؛ کیونکہ سعادت کے کیلئے عالم میں تفکر ضروری ہے اور یہ تفکر ایک فعل اختیاری ہے اور ہر فعل اختیاری کا مبدء عند التحقیق رہبت ورغبت ہے کما حَقَّقَه الفاضلُ الدَّوَّانـيُّ في شَرْحِ الْعَقَائِدِ الْعَضُدِيَّـةِ.

(4) : **اُس علم کی طرف کل علوم شرعیہ کی احتیاج ہو**: یہ بات ہر عقل مند انسان سمجھتا ہے کہ علم الکلام کے علاوہ تمام علوم دو حال سے خالی نہیں ہیں: شرعیہ ہیں یا غیر شرعیہ' اگر غیر شرعیہ ہوں تو ان کا نفع کسی منفعت کے حصول پر مقصور ہو گا یا کسی مضرت (نقصان) کے دفع پر جیسے دنیاوی صنعت و حرفت ہیں۔ اور شک نہیں کہ علوم شرعیہ ان علوم صناعیہ پر تفوق عظیم رکھتے ہیں۔ اور تمام شرعی علوم کی صحت اس علم کی صحت پر موقوف ہے؛ کیونکہ جب عالم کیلئے صانع قادر و مختار ہی نہ مانا جائے تو نہ حکم مانا جائے گا اور نہ ہی اس سے مستنبط احکام تو نہ محدث کی حدیث کی اہمیت' نہ مفسر کی تفسیر کی ضرورت' نہ ہی فقیہ کی فقہ کی حاجت اور اس کی ضرورت۔

الغرض تمام علوم بیکار ہو جائیں گے لہٰذا ثابت ہوا کہ ایک علم ایسا ضرور ہے جس میں وجود باری تعالی اور اسکی صفات ازلیہ کو دلائل یقینیہ سے محکم کیا جائے۔ اور وہ علم صرف علم الکلام ہی ہے' اس لئے جمیع علوم دینیہ سے اشرف و اکمل ہے۔

(5) : **اس علم کی ضد فی نفسہ قبیح ہو**: یعنی کبھی کسی چیز کی فضیلت اس کی ضد کی قباحت سے بھی مستفاد ہوتی ہے جیسے علم کلام کے مسئلہ میں خطا کرنا یا تو کفر ہو گا یا گمراہی' اور دونوں ہی اقبح الاشیاء ہیں تو اس کا صواب اشرف الاشیاء ہوا۔

تو ان پانچ وجوہ سے معلوم ہوا کہ علم الکلام جمیع علوم شرعیہ سے اشرف و اکمل و اعلی ہے[15]۔

---

(١٥)- نـهاية العقول في دراية الأصول للإمام الرَّازي قدس سره، ص:١٢، مطبوع من دار الذخائر/ بيروت بتحقيق الشيخ سعيد الفودة حفظه الله تعالى.

لیکن لوگوں کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جس نے جہالت کو راس المال بنایا ہوا ہے اور بابِ تدبر و تفکر اُن پر بالکل مسدود (بند) ہے' اور دین میں تحقیق انہیں سخت ناگوار لگتی ہے' صرف تقلید و تخفیفات کے خواہاں ہیں۔ ان کی نگاہ میں وہ لوگ جو دین الٰہی کی نصرت کیلئے اس کے دلائل میں تفحص (کھود و کرید) کریں وہ اُن کی نگاہ میں سخت گمراہ و مبغوض ہیں۔ اور ان کا خیال یہ ہے کہ حرکت و سکون' جواہر و اعراض جیسے الوان و اکوان' اور جزء لایتجزی وطفرہ و صفات باری تعالی سے بحث نری ضلالت اور کھلی حماقت ہے۔

فائدہ: امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالی کے زمانے میں بھی کچھ دشمنانِ عقل نے علم الکلام کے خلاف زبانِ طعن دراز کی تو آپ رحمہ اللہ تعالی نے اُن کے رد میں ایک لاجواب رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام آپ نے "اِسْتِحْسَانُ الْخَوْضِ فِي عِلْمِ الْكَلَامِ" رکھا' اگرچہ بعض محققین کو اس رسالہ کی ثبوتِ نسبت میں تردد ہے لیکن عندالتحقیق یہ رسالہ امام اشعری علیہ الرحمہ ہی کا ہے؛ کیونکہ اِس کا منطوق آپ کی دیگر کتب مثلا "**مقالات الاسلامیین**" اور "**اللمع**" وغیرہا کے منطوق سے مطابقت رکھتا ہے۔

اور صحتِ نسبت کے تحقق کیلئے اتنی قدر کافی ہوتی ہے۔ اس مختصر رسالہ کی جامعیت کی وجہ سے اس کا خلاصہ تین اعتراضات اور انکے مفصل جوابات کی صورت میں پیش خدمت ہے۔

"شبہاتِ بے بنیاد"

اِن حضرات کے اوہام کثیر ہیں' ان میں سے چند جوہری شبہات کو ذکر کیا جاتا ہے؛ کیونکہ انکے باقی شبہات بھی ان چند شبہات ہی کی طرف راجع ہیں:

پہلا شبہ: حرکت و سکون' اجتماع و افتراق' اجسام و اعراض' الوان و اکوان' جزء وطفرة اور صفات باری تعالی سے بحث کرنا بدعت ہے؛ کیونکہ اگر مذکورہ اُمور میں کلام کرنا سببِ ہدایت ہوتا تو نبی ﷺ و خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم ضرور اس میں کلام فرماتے' حالانکہ آپ علیہ السلام نے کلام ہرگز نہ فرمایا۔

جواب: یہ ہے کہ نبی ﷺ نے یہ قول صادر نہ فرمایا تھا کہ جو علم الکلام کے تعلیم و تعلم میں مشغول ہوا اُسے تم بدعی و گمراہ قرار دو۔ لیکن تم نے اشاعرہ و ماتریدیہ کو بِدعی و گمراہ کہا لہٰذا تم نے ایک ایسا کلام کیا جو حضور علیہ السلام اور اصحاب حضور پرنور ﷺ نے نہ فرمایا۔ لہٰذا تم بِدعی و گمراہ ٹھہرے؛ کیونکہ تم نے اُن لوگوں کو بدعی کہا جنھیں حضور ﷺ و اصحاب حضور رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے گمراہ نہ فرمایا۔

دوسرا اعتراض

دوسرا شبہ: نبی ﷺ نے اپنی وفات شریف سے پہلے ہی اسلام کا ہر مسئلہ اِس طرح واضح فرمادیا ہے کہ اسلام میں اب کسی نئی چیز کو داخل کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیم علمِ الکلام کے بارے میں کوئی حدیث وارد نہ ہوئی۔ لہٰذا اب علم الکلام کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہونا بدعت و ضلالت ہے؛ کیونکہ اگر اس میں کوئی خیر ہوتی تو حضور ﷺ یا صحابہ کرام تو کلام فرماتے، حالانکہ حضور ﷺ واصحاب حضور وصال فرماگئے لیکن انہوں نے کلام نہ فرمایا۔ **جواب**: یہ ہے کہ علم الکلام کے یہ مسائل حضور ﷺ کو تفصیلا معلوم تھے۔ اور آپ ﷺ نے ان سے مفصلا بحث نہ فرمائی؛ کیونکہ آپ ﷺ کے زمانے میں اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئی حتی کہ رسول حکیم ﷺ ان سے بلا سببِ خاص انہیں بیان فرماتے۔ اور حضور ﷺ نے ان کے بارے میں مفصلا اس لئے بیان نہ فرمایا؛ کیونکہ یہ اُصول قرآن مجید میں اجمالا موجود ہیں جیساکہ تیسرے شبہ کے جواب میں بخوبی معلوم ہوجائیگا۔

اور اگر حُضور ﷺ اور اصحاب پاک کی حیاتِ مبارکہ کے احوال کو بغور پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ اور انکے خلفاء واصحاب پاک (رضوان اللہ تعالی علیہم) نے صِرف اُن مسائل پر کلام فرمایا جو دین سے شریعت ہونے کے اعتبار سے متعلق تھے۔

لہٰذا صحابہ کرام و تابعین (رضوان اللہ تعالی علیہم) نے ان مسائل پر مناظرات، مذاکرات، مباحثات فرمائے جیسے مسائلِ عَوْل اور مسائلِ حِصَصِ جَدات وغیرہا مسائلِ علم الفرائض[16] اسی طرح مسائل طلاق، و حدود، و نکاح وغیرہا جنکا ذکر کتبِ ظاہر الروایہ میں مفصلا مذکور ہے۔ عقلی زوایے سے دیکھا جائے تو حُضور ﷺ کا فردا فردا ہر ہر جزئی کو بیان نہ فرمانا ضروری تھا؛ کیونکہ اگر آپ مفصلا (تفصیل کیساتھ) ہر ہر جُزئی (خاص فرد) کو بیان فرماتے تو کسی مسئلہ میں کوئی ابہام نہ رہتا اور

---

(16)- اصحابِ فرائض کے سہام کا مجموعہ کبھی مخرج سے بڑھ جاتا ہے، ایسی صورت میں مجموعہ سہام کو مخرج بنا دیا جاتا ہے، اس عمل کو علم میراث میں عول کہتے ہیں اسی طرح دادی نانی وغیرہا جدات کے مخصوص اصول ہیں جنہیں آپ علم میراث کی کتاب "السراجی" اور "علم المیراث" از مفتی احمد یار خان نعیمی قدس سرہ اور "بہار شریعت" جلد: 3، حصہ: 20 ملاحظہ کریں۔

جب ابہام نہ رہتا تو اختلاف کیسے ہوتا؛ کیونکہ اختلاف کی بنیاد ابہامِ حکم ہے ' اور امت میں کسی کا اختلاف نہ ہونا تو محال عادی ہے؛ کیونکہ متعدد آیاتِ قرآنیہ میں بروز قیامت اختلافات کے فیصلے کئے جانے کا قول فرمایا گیا ہے۔

تیسرا اعتراض

تیسرا شبہ: علمِ کلام کو سیکھنا اور سکھانا دو حال سے خالی نہیں ، حضور ﷺ اور اصحاب حضور رضی اللہ تعالی عنہم اُسے جانتے تھے اوراس کا علم ہونے کے باوجود خاموش رہے یا اُنہیں علمِ کلام معلوم ہی نہ تھا اور وہ اس سے نابلد تھے۔

تو اگر وہ اُسے جانتے تھے اور پھر خاموش رہے تو ہمیں بدرجہ اولی اُس علم الکلام کے بارے خاموش رہنا (بحث نہ کرنا) ضروری ہے جیسے وہ نفوس قدسیہ خاموش رہے بایں ہمہ (اس کے باوجود) اگر علمِ کلام دین ہوتا تو حضور واصحابِ حضور وغیرہ اس سے سکوت نہ فرماتے بلکہ آحادیث میں اس کا ذکر ہوتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ تو معلوم ہوا علم کلام بے دینی ہے۔

مزید یہ کہ اگر علم الکلام دین کا جزء ہوتا تو حضور ﷺ واصحابِ حضور ﷺ ضرور اُسے بیان کرتے ، سیکھتے اور سکھاتے لیکن ایسا کبھی نہ ہوا۔ اگر وہ حضرات اس علم سے نابلد تھے تو ضرور نابلد رہنے کی گنجائش انہیں ہوگی اور جب گنجائش ان نفوس قدسیہ کو ہوگی تو ہمیں بدرجہ اولی اس سے نابلد رہنا ضروری ہے۔

جواب: حضور پُرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حرکت و سکون ، افتراق و اجتماع ، جزء وطفرہ وغیرہا کی مباحث سے نابلد نہ تھے بلکہ اِن اشیاء کے اُصول تو قرآن وسنت میں مجملا مسطور ہیں تو صاحب قرآن ﷺ اور انکے تلامذہ راشدین اصحابُ وتابعین ان سے نابلد کیوں کر رہ سکتے ہیں؟! اگرچہ آپ علیہ السلام اور انکے اصحاب رضی اللہ تعالی عنہم نے ان اصول سے تفصیلا گفت گو نہ فرمائی لیکن اجمالا فرمائی ہے۔

(قرآنِ مجید اور حدیثِ نبوی ﷺ میں علم الکلام کے اجمالی اُصول کا بیان)

اب ہم علم الکلام کے اُن اجمالی اُصول کو پیش کرتے ہیں جن پر قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ ناطق ہوئیں ہیں تاکہ (تبیاناً لکلِّ شيءٍ) کا وسیع مفہوم سمجھ بھی آجائے۔

حرکت و سکون کا ذکر اجمالی قرآن میں:

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ و السلام کا جواہر و اعراض کے حدوث سے وحدانیت پر استدلال کو بیان فرمایا: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ ٱلَّيۡلُ رَءَا كَوۡكَبٗاۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّيۖ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ ٱلۡأٓفِلِينَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَءَا ٱلۡقَمَرَ بَازِغٗا قَالَ هَٰذَا رَبِّيۖ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمۡ يَهۡدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَءَا ٱلشَّمۡسَ بَازِغَةٗ قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَآ أَكۡبَرُۖ فَلَمَّآ أَفَلَتۡ قَالَ يَٰقَوۡمِ إِنِّي بَرِيٓءٞ مِّمَّا تُشۡرِكُونَ ﴿٧٨﴾)–

[سورة الأنعام: ٧٦-٧٩].

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سورج ' چاند اور ستاروں کے احوال میں صفتِ اُفول و انتقال کو ملاحظہ فرمایا' تو فرمایا کہ میں حادث کو خدا قرار دینا پسند ہی نہیں کرتا چہ جائیکہ اسے رب سمجھ کر عبادت کروں۔

یہ معنی اس آیتِ مبارکہ سے بایں طور حاصل ہوئے کہ جن جن چیزوں (سورج' چاند' اور ستاروں) میں 'وصفِ اُفول پایا گیا تو آپ نے اُس کو خدا بنانے سے اِظہارِ براءت فرمایا پھر اِس مجموعہ افعال پر (لَاأُحِبُّ) سے حکم لگایا اور ضابطہ ہے جب مشتق پر حکم لگایا جائے تو مبدءِ اشتقاق ہی حکم کی علت ہوتا ہے جیسے کہا جائے (أَكْرِمِ الْعَالِمَ فِي السُّوقِ/ کہ بازار میں عالم کی عزت کرو) اس میں حکم اکرام مشتق (اَلْعَالِمَ) پر لگایا گیا ہے۔

لہٰذا حسبِ ضابطہ مذکورہ اِکرام کی علت اُس کا مبدءِ اشتقاق یعنی علم ہوا۔ تو معنی یہ ہوا کہ بازار میں بوجہ علم' عالم کی عزت کرو۔

اسی طرح یہاں مشتق (الآفِلِيْنَ) پر (لَاأُحِبُّ) سے عدمِ حُب کا حکم لگایا جو کہ عدمِ اعتقادِ رُبوبیت کو لازم ہے؛ کیونکہ

رب وہ ہے جس کے سامنے انتہائی عاجزی کی جائے اور مخفی نہیں کہ غیر محبوب کے حضور حقیقی عاجزی متصور ہی نہیں۔

لہٰذا جب عدمِ حب کا حکم لگایا تو معلوم ہوا کہ عدمِ حُب کی علت صفتِ افول ہے۔اور وصفِ اُفول عین انتقال ہے اور انتقال عینِ حرکت تو وصفِ افول حرکت ہوا؛ کیونکہ حرکت کہتے ہیں کہ "کسی شی کا ایک مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں آ جانا" تو جب وصفِ افول عین حرکت ہوا اور حرکت حادث ہے۔ تو سورج، چاند اور ستارے سب حادث ہوئے اور کوئی خدا حادث نہیں تو چاند سورج اور ستاروں میں کوئی خدا نہیں[17]۔

(١٧)- شرح المواقف، للسيِّد الشريف ج ٤، ص ٤٨ مبحث الإلهيات، شرح المقاصد للتفتازاني، ج ٤، ص ١١

اصول توحید/ برہان تمانع کا ذکر اجمالی قرآن مجید میں :

اللہ تعالی نے براہینِ تمانع و تغالب بھی قرآن مجید میں ذکر فرمائے جیسے سورۃ انبیاء میں فرمایا : (لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَاۚ-فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ)-[الأنبياء]- اس کلامِ بلاغت نظام سے وحدانیت باری تعالی اور عدم شریک باری تعالی کا امتناع مستفاد ہوا جس کی مختصر تقریر یہ ہے اگر زمین و آسمان میں دو قادر خدا ہوتے تو ایک کسی کام کو کرنا چاہتا اور دوسرا اُسے ترک کرنا چاہتا مثلا ایک خُدا زید کو حرکت اور دوسرا اسے ساکن کرنے کا ارادہ کرتا' اب یا تو دونوں کی مرادیں حاصل ہونگی یا ایک بامُراد اور دوسرا نامُراد ہوگا' اگر دونوں کی مرادیں (حرکت/سکون) حاصل ہو جائیں تو اجتماع نقیضین لازم آیا اور اجتماع نقیضین محال ہے اور محال ذاتی تحتِ قدرت ہی نہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا دونوں کی مرادیں تو پوری نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا ایک اپنی مراد کی تحصیل میں دوسرے پر غالب آئیگا تو جو غالب ہو وہی خدا اور جو مغلوب ہوا وہ حادث اور کوئی خدا مغلوب نہیں تو کوئی خدا حادث نہیں۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس آیت میں کیسی زبردست دلیلِ وحدانیت مرموز ہے۔اِس دلیل کو متکلمین نے برہانِ تمانع کہہ دیا اور تمانع اور تغالب سے ثابت دلائل بھی اسی کی طرف راجع ہیں۔

"امکان اعادہ معدوم" کا ذکر اجمالی قرآن مجید میں :

نبی نذیر ﷺ نے جب کُفارِ مکہ کو ایمان نہ لانے پر عذابِ آخرت سے ڈرایا تو کفار نے اس تنذیر پر تعجب کیا اور معاذ اللہ تبلیغِ حضورِ پر نور ﷺ کا مذاق اُڑایا اور ایمان نہ لائے؛ کیونکہ اُن کا گمان تھا کہ ایک معدوم چیز پھر سے موجود نہیں ہو سکتی ؛ کیونکہ بداہتِ عقلی کے مطابق ایک شی پر جب عدم طاری ہوتا ہے تو وہ مثل سابق اجزاء اصلیہ کیساتھ معرضِ وُجود میں نہیں آسکتی لہٰذا حشرِ اجسام ممتنع ہے ان کے اس تعجب کو قرآن مجید نے یُوں بیان فرمایا : (وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَاباً وَعِظَاماً أَ إِنَّا لَـمَبْعُوْثُوْنَ)-[الواقعة:٤٧] اور جبکہ حضور ﷺ کا قول شریف اِمکان حشر پر مبنی تھا تو اللہ البدیع جل مجدہ نے حضور ﷺ کے قولِ مذکور کی تائید اور کفار کے گمانِ باطل کی تردید ان ارشادات میں فرمادی (قُلْ يُـحْيِيْهَا الَّذِيْ أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ)- [يسين : ٧٩]، یعنی آپ فرمادیں کہ وہی ہے جس نے اِن اجسام کو پہلی بار بنایا اور(وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَءُ الْـخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُه وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ)-[الروم:٢٧] یعنی وہ ہی ہے جو مخلوق کو پیدا فرماتا ہے پھر اسے بنائے گا اور دوبارہ پیدا فرمانا اُس پر آسان ہے۔' (كَمَـا بَدَأَكُمْ تَعُوْدُوْنَ)-[الأعراف: ٢٩] یعنی جیسا کہ تمہیں پیدا فرمایا تو پھر لوٹ آو گے۔

اِن تمام آیاتِ مبارکہ میں حشر اَجساد کا امکان بتایا گیا جسے کُفارِ مکہ اپنی سخافت عقلی کی وجہ سے مستحیل کہتے تھے ان آیات مبارکہ کی روشنی میں ہی متکلمین دین متین نے امکان حشر کا قول کیا جو کہ امتناع حشر کے منافی ہے۔

حوادث کی ابتداء کا ذکرِ اجمالی سنن نبویہ ﷺ میں :

وُجودِ باری تعالیٰ کے منکرین یعنی دہریوں کا اعتقاد رہا ہے کہ جنس حوادث ازلی ہیں یعنی نہ اسکی ابتداء ہے اور نہ ہی انتہاء جس طرح باری تعالیٰ ازلی ہے؛ کیونکہ کوئی دن ایسا نہیں جس سے پہلے کوئی دن نہ ہو اور کوئی حرکت نہیں جس سے قبل حرکت نہ ہو بلکہ یہ سلسلہ ازل سے ہے نظر برآں سب حوادث ازلی ہوئے۔ تو متکلمین دین متین نے جواباً فرمایا: سلسلہ حوادث کی ازلیت باطل ہے؛ کیونکہ ان کا حُدوث' حدیث شریف سے مبرہن ہے۔ چنانچہ مسلم شریف میں آیا کہ ایک اعرابی نے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کی: میرے اونٹوں میں ایک خارش زدہ اونٹ ہے جس کی وجہ سے دوسرے اونٹ کو یہ مرض لاحق ہوگیا ہے۔ تو سرکار ﷺ نے معقولی جواب ارشاد فرمایا (لَا عَدْوى و لاطِـيَـرَةَ) یعنی کوئی بیماری اُڑ کر نہیں لگتی اور شگونِ بد موثر نہیں پھر فرمایا (فَمَنْ أَعْدَى الأَوَّلَ) یعنی خارش کا مرض اگر پہلے اونٹ سے متعدی ہوا ہے تو اُس پہلے کو کس نے خارش میں مبتلاء کیا؟۔

اِس حدیث میں تسلسل کے بطلان پر واضح دلیل ہے؛ کیونکہ اگر اِس کے جواب میں کہیں کہ اسے کسی دوسرے اونٹ سے یہ مرض لاحق ہوا تو پھر سوال عائد ہوگا کہ اُس دوسرے کو کس سے لاحق ہوا؟ تو اگر کہیں کہ پہلے والے اونٹ سے تو یہ دور ہے اور دور باطل ہے کیونکہ تقدم الشیء علی نفسہ کو مستلزم ہے اور اگر یہ سلسلہ الی لا نہایہ چلتا جائے تو یہ بھی عقلا و برہانا غلط ہے؛ کیونکہ اس سے تو ہرگز ایک معلوم کی درست تحصیل نہیں ہوسکتی چہ جائیکہ اس سے سبب معلوم ہو جائے۔ لہٰذا دہریوں کا عقیدہ وہ نہیں جسے حضور علیہ السلام نے بیان فرمایا اسی لئے مردود ہے فتدبر!۔

مشابہت کی وجہ سے مُشَبَّہٌ بِہ کو مُشَبَّہ کا حکم دینے کا ذکرِ اجمالی سنن نبویہ میں:

متکلمینِ دینِ متین فرقہ مشبہ کا رد اسی اصل پر متفرع جزئیات سے فرماتے ہیں؛ کیونکہ فرقہ مشبہ کا عقیدہ ہے (ہر موجود مجسم ہے) اور (باری تعالی موجود ہے) تو وہ مجسم ہوا' تو جس طرح ہمارا جسم ہے اسی طرح اللہ جل مجدہ بھی مجسم ہے - العیاذ باللہ-

متکلمین جواب تحقیقی یہ دیتے ہیں قیاس کا صغریٰ مسلم ہی نہیں چہ جائیکہ اصغر کا حکم اکبر تک متعدی ہو؛ کیونکہ تم نے کہا ہر موجود مجسم ہے تو یہ مُوجبہ کلیہ ہوا' اور ہم کہتے ہیں کہ ہر موجود مجسم نہیں؛ کیونکہ بر مذہبِ فلاسفہ عُقول عشر مجرد عن المادہ ہیں اور بر مذہب اہل سنت روح' قوت عاقلہ' متعدد صفات بشر وغیرہا مجسمات نہیں۔ لہٰذا اِن جزئیات پر موجبہ کلیہ صادق نہیں آیا تو سالبہ جزئیہ صادق آیا؛ کیونکہ موجبہ کلیہ سالبہ جزئیہ کی نقیض ہے لہٰذا جب موجبہ کلیہ کاذب ہوا تو سالبہ جزئیہ صادق آیا؛ کیونکہ ارتفاع نقیضین محال ہے۔ یہ تقریر تقریبِ ذھنی کیلئے مختصر استدلال بطور جواب تحقیقی بغرض افادہ عامہ ذکر کیا گیا۔

نوٹ: مجرد عن المادہ ہونا موجود ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ ابن تیمیہ اور اس کے حواریوں نے گمان کیا کہ جب اللہ تعالی کا جسم بھی نہیں' لون بھی نہیں' حد و عد نہیں تو وہ معدوم ہوا۔

اور اس کا الزامی جواب یہ ارشاد فرمایا: کہ اگر باری تعالی مجسم ہو تو لازم آئیگا کہ وہ متناہی ہو؛ کیونکہ جسم طول' عرض اور عمق کے زوایا متقاطعہ سے متحقق ہوتا ہے اور جسے زوایا نے گھیرا ہو تو متناہی ہوتا ہے۔ اور ہر متناہی متشکل ہوتا ہے؛ کیونکہ شکل اُس ہیئت کو کہتے ہیں جو ایک یا ایک سے زائد حدود کے احاطے سے حاصل ہوئی ہو ۔ لہٰذا شکل اپنے تحقق میں محتاج ہوئی احاطہ حدود کی۔

اور معلوم ہے کہ حدود عینِ شکل نہیں اور نہ ہی شکل عینِ حدود تو حدود شکل کی غیر ہوئیں اور حسب سابق شکل اپنے تعین میں غیر کی محتاج ہوتی ہے اور محتاج بسوئے غیر ممکن ہوتا ہے لہٰذا ہر متناہی ممکن ہوا اور ہر جسم متناہی ہوتا ہے تو ہر جسم ممکن ہوا اور حسب مذہب مشبہ باری تعالی مجسم ہے تو باری تعالی ممکن ہوا—العیاذ باللہ۔

یہ نتیجہ باطل ہے اب دیکھیں شکل بھی شکل اول جو کہ بدیہی الانتاج ہے اور شرائط انتاج یعنی ایجابِ صُغریٰ وفعلیتِ وکلیتِ کبریٰ موجود ہیں تو معلوم ہوا اس کا بطلان بوجہ مادہ قیاس ہے اور وہ ہر موجود کیلئے جسمیت کا ثبوت ہے۔

"تبصرہ بر قولِ الزامی"

اب اس الزامی جواب میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا اثباتِ جسمیت کے رد میں ہماری ایک اصلِ کبیر (رَدُّ الشَّيْءِ إِلَى شَكْلِهِ وَ نَظِيْرِهِ) موجود ہے۔اور یہ مبارک اصل اس حدیث شریف سے لی گئی ہے جسے امام مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ تعالی نے "صحیح مسلم" میں ذکر فرمایا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ : ایک اعرابی (دیہاتی) حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میری بیوی نے ایک سیاہ رنگ والے لڑکے کو جنا ہے اور میں اسے اپنا نہیں سمجھتا۔

تو حضور ﷺ نے اس سے فرمایا : کیا تمہاری ملکیت میں اونٹ ہیں؟

اس نے عرض کی : جی ہاں

تو حضور ﷺ نے استفسار فرمایا کہ اُن کا کلر کیا ہے؟

تو اس نے عرض کیا : سرخ

تو حضور ﷺ نے فرمایا : کیا ان اونٹوں میں سیاہی مائل اونٹ ہیں؟

اس نے کہا : جی ہاں

حضور ﷺ نے فرمایا : کہ وہ سیاہی مائل اونٹ ان سرخ اونٹوں میں کہاں سے آیا؟

تو اس نے عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ شاید اس کے رنگ کو اس کی رگ نے کھینچ لیا ہو تو حضور ﷺ نے فرمایا : شاید تیرے اس سیاہ فام بچہ کا رنگ (بھی) کسی رگ نے کھینچ لیا ہو۔

اس حدیث میں حضور نے تولدِ نسل میں اختلافِ الوان کی اصل یعنی نزعِ عرق کو اس کی نظیر کی طرف پھیرا کہ انسانوں کے بچوں کا طبعی رنگت وروپ میں اپنے والدین سے بالکل الگ ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں بالکل اس کا سبب عادی تو نزع رگ ہے تو جس طرح یہ چیز جانوروں میں موجود ہے تو انسانوں میں بھی ہے۔

ہمارے آئمہ متکلمین اسی اصل کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ اگراللہ تعالی کسی حادث کے مشابہ ہو' تو وہ تمام اعتبارات میں مخلوق کے مشابہ ہوگا یا بعض اعتبارات میں۔

تو اگروہ تمام اعتبارات میں مشابہ ہو تو ضروری ہے کہ وہ تمام اعتبارات سے حادث ہو۔اور اگر بعض اعتبارات میں مشابہ تو ضروری ہے کہ وہ بقدر مماثلت حادث ہو؛ کیونکہ کسی ایک وصف مشترک میں دو مماثل چیزوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ قدیم کا حادث کے مشابہ ہونا یا حادث کا قدیم کے مشابہ ہونا محال ہے کیونکہ قرآن مجید میں فرمایا : (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) - [الشوری: ١١].

مذکورہ بالا تفاصیل سے واضح ہوگیا کہ علم الکلام کوئی جدید شیء نہیں بلکہ قرآن سنت کے شہکاروں میں سے ایک شہکار ہے۔

تنبیہ! آئمہ دین مثل امام اعظم ابو حنیفہ و امام ابو یوسف وامام شافعی وامام جلال الدین سیوطی وغیرہا - قدس اسرارہم - عمائد ملت واعلام ہدایت سے جو علم الکلام کے بارے میں نہی منقول ہوئی اُس منع کے مصداق صرف چار افراد ہیں لہٰذا جو ان چار احوال سے خالی ہوگا ہرگز ہرگز مطعون وملوم نہیں ہوگا بلکہ ثواب عظیم کا حقدار ہوگا کہ دین الہٰی کی نصرت کیلئے مستعد ہوا ہے ۔ بالجملہ وہ مصادیق یہ ہیں :

(1) : جو دلیل سے حق ظاہر ہوجانے کے باوجود حق سے تعصب کرے اور اسے قبول نہ کرے۔

(2) : جو طبعا تقلیدی ذہن کا ہو' دلیل سننے سمجھنے کا حوصلہ نہ ہوایسا شخص کسی بھی مسئلہ علمیہ میں حالت یقین پر نہیں ہوتا۔

(3) : جو مسلمانان اہل سنت کے عقائد میں فتنہ وفساد چاہتا ہو۔

(4) : فلاسفہ کی بے بنیاد باتوں میں غور وخوض کرنے کا معتاد ہو۔

اسی لئے امام سعد الدین تفتازانی (التوفی 791 ھ) نے "شرح العقائد النسفية" میں ارشاد فرمایا: (وَمَا نُقِلَ عَنْ بَعْضِ السَّلَفِ مِنَ الطَّعْنِ فِيْهِ وَالْمَنْعِ عَنْهُ، فَإِنَّما هُوَ لِلْمُتَعَصِّبِ فِي الدِّيْنِ، وَالْقَاصِرِ عَنْ تَحْصِيْلِ الْيَقِيْنِ، وَالْقَاصِدِ فِي إِفْسَادِ عَقَائِدِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَالْخَائِضِ فِيْمَا لَا يُفْتَقَرُ إِلَيْهِ مِنْ غَوَامِضِ الْمُتَفَلْسِفِيْنَ)[١٨].

اہلِ علم بخوبی اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ علم کی شرافت معلوم کے شرافت کے تابع ہے، علم الکلام میں معلوم ذات الٰہی و صفات باری تعالی ہے لہٰذا علم الکلام اشرف و اعظم ہوا اور وہ کیوں اشرف و اکرم نہ ہو؟ کہ جب وجود باری تعالی کا انکار ہوجائے تو اِرسالِ رسل وانبیاء کی کوئی حیثیت نہیں رہتی اور جب ارسال رسل ہی نہ مانا جائے تو اُن رُسُل کی کُتُب اور اُن کتب سماویہ سے مستفاد "علم الفقہ"، "علم الحدیث"، و "علم التصوف" وغیرہ تمام علوم شرعیہ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے ؟؟؟،

لہٰذا معلوم ہوا کہ علم الکلام پر ہی پوری شریعت کے ثبوت کا مدار ہے اور ایسی چیز کی تحصیل سے روکنا کسی عاقل سے متصور نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل سے چنانچہ اسی لئے علامہ تفتازانی قدس سرہ النورانی نے تعیین مصادیق کے بعد فرمایا:

(وَإِلَّا فَكَيْفَ يُتَصَوَّرُ الْمَنْعُ عَمَّا هُوَ مِنْ أَصْلِ الْوَاجِبَاتِ وَأَسَاسِ الْمَشْرُوْعَاتِ).

نوٹ: یہ تمام بحث علم الکلام کی کتب معتبرہ جیسے "المطالب الوفیہ از علامہ عبد الغنی النابلسی"، "استحسان الخوض فی علم الکلام از امام اہل سنت ابو الحسن الاشعری"، "شرح عقائد جلالیہ از فاضل جلال الدین دوانی"، "شرح عقائد نسفیہ از علامہ سعد الدین تفتازانی (رحمہم اللہ تعالی)" وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ یاد رہے المطالب الوفیہ ایک زمانہ سے مخطوط ہے۔

---

(١٧)- شرح العقائد النسفية ص،٥٩ – ٦٠،مطبوع من مكتبة المدينة كراتشي.

"علم الکلام کی تعلیم و تعلم پر مشہور عوامی اعتراض اور اس کا تحقیقی جواب"

اعتراض مشہور: اگر یہ علم واجبات میں سے ہے تو نبی ﷺ واصحاب پاک وتابعین رضی اللہ تعالی عنہم سے منقول کوئی ایک روایت خواہ ضعیف ہی سہی، ضرور ملتی حالانکہ جب حضور اقدس ﷺ اور انکے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جب کسی کو قبول اسلام کرواتے تو صرف زبانی اِقرار اور اَحکامِ شرع پر پابندی کے ساتھ عمل کرنے پر وعدہ کرلیتے بلکہ اُن میں سے بعض تو تلوار کے سائے میں بھی مسلمان ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں وجودِ باری و صفات باری پر استدلال بالکل نامعقول ہے؛ کیونکہ اس وقت انتہائی خوف کا عالم ہوتا ہے جو کہ ادراکِ کامل کے مُنافی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اگر یہ اصل واجب سے ہوتا تو وہ حضور ﷺ اور انکے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اُسے ترک نہ فرماتے۔

جواب: بے شک یہ بات درست ہے کہ حضور ﷺ اور انکے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ابتداء ہی انہیں حصول معرفت کیلئے استدلال کا پابند نہ بنایا لیکن اسے قطعاً یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ بعد میں بھی انہیں پابند نہ کیا ہو بلکہ معرفتِ باری تعالی تو انسان کی ماہیت میں موجود ہے جیسا کہ احادیث اِس کی طرف مشیر ہیں۔ تو حضور اکرم ﷺ انکے صحابہ کرام اولا اسی فطری پوشیدہ معرفت پر اقرار لیتے؛ کیونکہ اس کے علاوہ تصدیق کی کوئی راہ نہیں ہوتی پھر رفتہ رفتہ انہیں اپنی گفت گو میں بذریعہ محاوارات علم الکلام کے اصول کا افادہ فرماتے تھے جیسا کہ تیسرے اعتراض کے جواب میں یہ امر بخوبی معلوم ہوچکا ہے۔

غایت درجہ توجیہ یہ ہے کہ وہ بوجہ صحبت رسول اللہ ﷺ اپنی طہارت طینت کے ترتیب مقدمات اور تدوین وغیرہا کے محتاج نہ تھے بلکہ ان تمام دلائل کو اجمالااس طرح سمجھتے تھے کہ کوئی شک ان کے سینوں میں موجود نہ تھا اور حق الیقین کے درجہ پر فائز تھے، اسی لئے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے تھے: "عَرَفْتُ اللهَ بِنَقْضِ الْعَزَائِمِ، وَفَسْخِ الْهِمَمِ" یعنی میں نے اللہ تعالی کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے اور ہمتوں کے منکسر ہونے سے پہچان لیا۔

منقول ہے کہ ایک اعرابی نے کہا: " اَلْبِعْرَةُ تَدُلُّ عَلَی الْبَعِيْرِ، وَأَثْرُ الْأَقْدَامِ عَلَی الْمَسِيْرِ، أَفَسَمَاءُ ذَاتُ أَبْرَاجٍ، وَأَرْضُ ذَاتُ فِجَاجٍ، لَا تَدُلَّانِ عَلَی اللَّطِيْفِ الْخَبِيْرِ؟!" یعنی مینگنی اونٹ وغیرہ چوپایوں کے وجود پر دلالت کرتی ہے اور راہ میں موجود قدموں کے نشانات گزرنے والے کے وجود پر دلالت کرتے ہیں تو سیاروں سے بھرپور آسمان اور گھاٹیوں سے بھرپور زمین اللہ لطیف وعلیم کے وجود پر کیوں دلالت نہیں کرتیں! تو جب مینگنی وقدموں کے نشانات جیسی حقیر اشیاء اپنے فاعل کے وجود پر دلالت کرتی ہیں تو آسمان وزمین جیسی عظیم مخلوقات، خالق جل جلالہ کے وجود پر بدرجہ اولی دلالت کرینگی۔

پس غایت درجہ توجیہ یہ ہوئی کہ صحبت حضور پرنور ﷺ کی برکت سے انہیں کامل صفائے قلب حاصل تھا جس کی وجہ سے قرآن وسنت کے دقائق جو ان پر کھلے تھے ویسے کسی پر نہ کھلے اس لیے وہ نفوس قدسیہ اصحاب سلیقہ اس علم کو تفصیلا مدون کرنے سے مستغنی رہے اوران کے استغناء سے غیر کا افتقار منتفی نہیں ہوجاتا کَمَا نَصَّ عَلَيْهِ سَيِّدُنَا الْإِمَامُ أَحْمَدُ رِضَا خَانْ الهنديُّ فِي الْفَتَاوى الرَّضَوِيَّةِ۔

" اَلْأَشَاعِرَةُ وَ الْمَـاتُرِيْدِيَّـةُ "

یاد رہے کہ جس طرح اُصولِ فقہ چار اُصول پر مشتمل ہیں : (1) : القرآن (2) : السنہ (3) : الاجماع اور (4) : القیاس۔ اسی طرح اُصولِ عقائد بھی چار اُصول پر مشتمل ہیں : (1) : قرآنِ مجید (2) : سنتِ رسول اللہ ﷺ (3) : سوادِ اعظم اسلام اور (4) : عقلِ صحیح۔

تو جو مسلمان اِن چاروں میں ایک کے ذریعے سے کسی عقیدے کو جانتا ہے تو وہ اس مسئلہ کو دلیل سے جانتا ہے نہ کہ بے دلیل محض بطورِ تقلید[19]؛ کیونکہ اصولِ عقائد میں تقلید جائز نہیں بلکہ جو بات ہو یقینِ قطعی کے ساتھ ہو، خواہ یقین کسی طرح بھی حاصل ہو، اس کے حصول میں اپنی عقل سے استدلال کی حاجت نہیں بلکہ جو دلائل آئمہ متکلمین نے ذکر فرمائے ان کو دلیل ہی کی حیثیت سے سمجھنے سے یقین کا حصول ہو جانا بابِ عقائد میں کافی ہے۔

اور یاد رہے کہ اُصول عقائد میں آئمہ کی تقلید نہیں ہوتی؛ کیونکہ تقلید کسی کے قول کو بے دلیل مان لینے کو کہتے ہیں، جو کہ یہاں متحقق نہیں بلکہ بابِ عقائد میں امام ابو منصور الماتریدی و امام ابو الحسن اشعری و امام سعد الدین تفتازانی، امام صدر الشریعہ و امام ابو معین نسفی وغیرہم پر بالذات اعتماد نہیں ہوتا بلکہ انکی دلیل پر ہوتا ہے اور بواسطہ دلیل اُن کی ذوات قدسیہ پر، نہ کہ بالذات اُن کی ذوات پر پھر بواسطہ ذوات اُن کے دلائل پر! ہاں بعض فروع عقائد میں تقلید ہوسکتی ہے، اسی بناء پر خود اہلِ سنت میں دو گروہ ہیں :

"ماتُرِیدِیہ" کہ امام علم الہدیٰ حضرت ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالی عنہ کے متبع ہوئے۔

"اشاعرہ" کہ حضرت امام شیخ ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کے تابع ہیں۔

---

(19)- اس کی کامل تحقیق ہمارے مولی وآقا سیدنا الامام احمد رضا خان قادری ہندی رضی اللہ تعالی عنہ نے فتاوی رضویہ ج 1، ص 118 پر فرمادی ہے۔ جس نے اسے نہ سمجھا بڑی الجھن میں پھنسا ہے۔

دونوں جماعتیں اہلِ سنت ہی کی ہیں اور دونوں حق پر ہیں، آپس میں صرف فروع کا اختلاف ہے۔ ان کا اختلاف حنفی، شافعی کا سا ہے، کہ دونوں اہلِ حق ہیں، کوئی کسی کی تضلیل و تفسیق نہیں کرتا۔ امام تفتازانی قدس سرہ النورانی نے "شرح المقاصد" میں ارشاد فرمایا: کہ اب ان کا اختلاف بعض اصولیات میں داخل ہو چکا ہے جیسے مسئلہ تکوین، مسئلہ ایمان مقلد، وغیرہا لیکن بایں ہمہ کوئی اشعری کسی ماتریدی کو اور کوئی ماتریدی کسی اشعری کو مطعون نہیں کرتا۔

"اَعلامِ آئمہ ماتریدیہ و اَشَاعِرہ"

	اَعلامِ ماتریدیہ	اَعلامِ اشاعرہ
١	امام ابو منصور الماتریدی.	امام ابوالحسن اشعری.
٢	امام ابو معین النسفی.	امام ابو بکر فورک.
٣	امام کمال الدین ابن ہمام.	امام ابواسحاق اسفرائینی.
٤	امام جلال الدین خضر بک.	امام الحرمین ابوالمعالی جوینی.
٥	امام نور الدین الصابونی.	امام ناصر الدین بیضاوی.
٦	امام ابو جعفر الطحاوی.	امام ابو حامد الغزالی.
٧	امام شمس الدین سمرقندی.	امام فخر الدین الرازی.
٨	امام جلال الدین عمر خبازی.	امام سعد الدین تفتازانی.
٩	امام ابوالبرکات نسفی.	امام جلال الدین محلّی.
١٠	امام احمد رضا خان البریلوی.	امام جلال الدین الدوانی.
١١	امام فضل حق خیرآبادی.	امام سیف الدین الآمدی.
١٢	امام فضل الرسول بدایونی.	امام تاج الدین سبکی.
١٣	امام زاہد الکوثری.	امام خواجہ حسن بقال.
١٤	امام فضل امام خیرآبادی.	امام عبد الکریم شہرستانی.
١٥	امام عبد الحق خیرآبادی.	امام بہاء الدین اخمیمی.
١٦	امام صدر الدین آزردہ.	شیخ الاسلام امام زکریا انصاری.
١٧	امام ابوالحسنات عبدالحئی لکھنوی.	امام ابن عطار.
١٨	امام عبد الحلیم لکھنوی.	امام عبد الغافر.
١٩	امام نظام الدین سہالوی.	امام تقی الدین سبکی.
٢٠	امام قطب الدین شہید.	امام شمس الدین خسروشاہی.
٢١	امام زاہد صفار.	امام ابو محمد جوینی.
٢٢	امام اکمل الدین بابرتی.	امام العز بن عبد السلام.
٢٣	امام شہاب الدین خفاجی.	امام محی الدین نووی.

٢٤	امام ملا علی قاری .	امام عضد الدین ایجی .
٢٥	امام ابن کمال باشا .	امام تلمسانی شارح اربعین .
٢٦	امام کمال الدین بیاضی .	امام مبارک شاہ مصری .
٢٧	امام کمال الدین نسفی .	امام عبد القاہر جرجانی .
٢٨	امام برہان الدین نسفی .	امام ابو سہل صعلوکی .
٢٩	امام رحمت اللہ الکیرانوی .	امام قطب الدین رازی .
٣٠	امام ابو القاسم قطلوبغا حنفی .	امام نجم الدین کاتبی .

"کتب آئمہ اشاعرہ وماتریدیہ"

	کتب آئمہ ماتریدیہ	کتب آئمہ اشاعرہ
١	كتاب التوحيد للماتريديِّ.	استحسان الخوض في علم الكلام للأشعريِّ.
٢	الفقه الأكبر للامام ابى حنيفة.	الإبانة في أصول الديانة للاشعري.
٣	الفقه الأبسط للامام ابى حنيفة.	مقالات الإسلاميين للاشعري.
٤	الفقه الأصغر للامام ابى حنيفة.	شرح المواقف للسيد الشريف.
٥	تبصرة الأدلة لأبي مَعِين.	شرح المقاصد للتفتازاني.
٦	بحرُالكلام للأبي مَعين النسفي.	الإنصاف للباقلاني.
٧	"المسايرة" لكمال الدين ابن همَّام.	جوهرة التوحيد للامام اللقَّاني.
٨	أصول الدين للامام أسماعيل الماتريدي.	الخريدة البهية للدِّرْدِيْر.
٩	العقيدة الطحاوية لأبي جعفر الطحاوي.	العقيدة النظامية لإمام الحرمين.
١٠	العقائد النسفية للنسفي.	المقصد الأسنى للغزَّالي.
١١	جواهر العقائد للمولى جلال الدين خِضْرَبَكْ.	العقائد العضدية للإيجي.
١٢	القصيدة النُّونِيَّة للفاضل الخيالي.	شرح العقائد العضدية للدوَّاني.
١٣	الصَّحَائفُ الإلهية للسمرقندي.	الإشارة في علم الكلام للرَّازي.
١٤	التمهيد لأبي معين النسفي.	أساس التقديس للرَّازي.
١٥	إشاراتُ المرام للبياضي.	نهاية الأقدام للشهرستاني.
١٦	الهادي في أصول الدين للخبَّازي	أبكار الأفكار للآمدي.
١٧	الاعتماد في الاعتقاد لأبي البركات النسفي.	شرح المواقف للسيف الأبهري.
١٨	سُبْحَانَ السُّبُّوح للإمام أحمد رضا	نهاية العقول للامام الرَّازي.
١٩	المعتقد المنتقد للشيخ فضل رسول البدايوني.	طوالع الأنوار للبيضاوي.
٢٠	ثلج الصدر لإيمان القدر للشيخ أحمد رضا خان.	المطالب العالية للرازي.

"اشاعرہ وماتریدیہ کے مابین مختلف فیہا مسائلِ فرعیہ"

علمائے اشاعرہ وماتریدیہ کا جن فُروعی مسائل میں اختلاف ہے وہ عندالتحقیق چالیس مسائل ہیں :

نمبر	مسلکِ اشاعرہ	مسلکِ ماتریدیہ
۱	وجوبِ ذاتی کا مصداق وہ ذات ہے جس کی ذات کا مقتضی وُجود ہو۔	وجوب ذاتی کا مصداق وہ ذات ہے جو عدم کو قبول نہ کرسکے۔
۲	وجوب امر اعتباری (عدمی) اور ' غیر ذات ہے۔	وجوب امر وجودی اور عینِ ذات ہے۔
۳	"وجود" باری تعالی پر زائد ہے۔	"وجود" باری تعالی پر زائد نہیں بلکہ عینِ ذات ہے۔
٤	صفتِ بقاء زائد بر ذات ہے۔	صفتِ بقاء استمرارِ وجود کو کہتے ہیں۔
٥	صفتِ قدرت بر وقتِ تعلق ' مقدور میں موثر ہے۔	قدرت صفتِ ازلیہ ہے بواسطہ ارادہ مقدور سے متعلق ہوتی ہے۔
٦	صفتِ ارادہ بعینہٖ محبت ورضا ہے۔	صفتِ ارادہ میں محبت ورضا کا کوئی عنصر نہیں۔
۷	صفتِ سمع و بصر ہر موجود سے متعلق ہوسکتے ہیں۔	صفت سمع وبصر کا تعلق اس موجود ہی سے ہوگا جس میں مسموع و مبصر ہونے کی صلاحیت ہو پس دونوں جمیع موجودات سے متعلق ہوسکتے ہیں۔
۸	قرآنِ مجید امر واحد ہے۔ اختلاف کیفیتِ وحدت میں ہے کہ شخصیہ ہے یا نوعیہ	قرآن مجید باری تعالی سے بلا کیفیتِ قولیہ اس سے ظاہر ہوا۔
۹	کلامِ نفسی کو سننا ممکن ہے۔	کلام نفسی کو سننا ممکن نہیں۔
۱۰	تکوین صفت باری نہیں بلکہ اعتباری ہے جو عقلا موثر کی اثر کی طرف نسبت کئے جانے سے حاصل ہوتی ہے۔	تکوین اللہ تعالی کی صفت ازلیہ ہے۔
۱۱	اشیاء کا وجود کلامِ ازلی سے متعلق ہے اور لفظِ کُن اس کلام پر دال ہے۔	اشیاء کا وجود امر کُن سے متعلق نہیں بلکہ صفت تکوین سے ہے۔ اور امر کُن سرعت ایجاد سے کنایہ ہے۔
۱۲	اسم مسمّی کا مطلقاً عین نہیں ' بلکہ کبھی غیر ہوتا اور کبھی نہ عین نہ غیر۔	اسم مسمّی کا باعتبار خارج عین ہے نہ کہ باعتبار مفہوم۔
۱۳	قدر : ارادہ ازلیہ کا اشیاء کیساتھ تعلق ہے جو ان کے اوقات مخصوصہ میں ہو۔ قضاء : وہ باری تعالی کی صفت ازلیہ ارادہ ہے جو نظام موجودات کو انکے منہج مخصوص پر کاربند کرے۔	قدر : اللہ تعالی کا ازل میں ہر شے کو اس کی کم وکیف کیساتھ متعین فرمانے سے عبارت ہے۔ اور قضاء : وہ زیادتی احکام کیساتھ اس کے فعل سے عبارت ہے۔
۱٤	"ید" و "الوجہ" و "ساق" وغیرہا الفاظ سے ان کی حقیقت مراد نہیں بلکہ یہ الفاظ مجازات سے ہیں ید سے مراد قدرت ' وجہ سے مراد وجود ' وغیرہا۔	"ید" و "الوجہ" وغیرہا کا اثبات معلوم ہے لیکن کیفیت مجہول ہے۔ وصف سے جہالت کی وجہ سے اصل کو باطل کرنا باطل ہے۔
۱٥	بھلائی کے کاموں پر استعداد پیدا کرنا توفیق ہے۔	توفیق کہتے ہیں کسی چیز کو آسان بنادینا ' اور مدد کرنا۔
۱٦	تکلیف مالا یطاق جائز ہے۔	تکلیف مالایطاق جائز نہیں۔
۱۷	اللہ تعالی کے افعال میں حکمت بر سبیل جواز ہوتی ہے نہ کہ بر سبیل لزوم تو ممکن ہے کہ فعل میں حکمت ہو یا نہ ہو۔	اللہ تعالی کے افعال پر حکمت بطور لزوم بمعنی عدمِ جوازالانفکاک بطورِ فضل مرتب ہوتی ہے۔
۱۸	حکمت بمعنی اِتقان واِحکام عمل ' اللہ تعالی کی صفت ازلیہ نہیں ہے	حکمت بمعنی اتقان واحکام عمل ' اللہ تعالی کی صفت ازلیہ ہے

۱۹	"خلف فی الوعید" ممتنع ہے۔	"خلف فی الوعید" جائز ہے۔
۲۰	اگراللہ تعالی فعلِ قبیح کرے تو اسے قبح سے موصوف نہیں کیا جائیگا وہ مالک ہے جو چاہے کرے۔	اللہ تعالی فعل قبیح نہیں کرتا' اگر کرے تو وہ قبیح ہوگا۔ لہٰذا عقلا یہ جائز ہی نہیں۔
۲۱	کفر کو معاف کر دینا عقلا ممکن ہے۔	کفر کو معاف کر دینا عقلا ممکن نہیں۔
۲۲	تمام اشیاء کا حسن و قبح شرعی ہے۔	بعض چیزوں کا حسن و قبح عقلی ہے۔
۲۳	ایمان باللہ عقلا واجب نہیں ہے۔	ایمان باللہ عقلا واجب ہے۔
۲٤	"اِقرار" ماہیتِ ایمان میں داخل نہیں' مجرد تصدیقِ قلبی کافی ہے' ہاں جو اِقرار کو زبانی ادا کر سکتا ہو اس کیلئے تحقق ایمان کیلئے شرط ہے۔	ایمان اقرار و تصدیق کا نام بمعنی کہ اقرار اس کا حصہ ہے اور اس میں داخل ہے۔
۲۵	ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔	ایمان گھٹتا' بڑھتا نہیں۔
۲٦	مقلد کا ایمان درست نہیں۔	مقلد کا ایمان درست ہے۔
۲۷	دلائل نقلیہ صرف ظن کا افادہ کرتے ہیں۔	بعض دلائل نقلیہ یقین کا افادہ کرتے ہیں۔
۲۸	ایمان مخلوق ہے۔	ایمان مخلوق نہیں۔
۲۹	ایمان میں اعتبار خاتمہ کا ہے۔	ایمان میں اعتبار خاتمہ کا نہیں۔
۳۰	ایمان و اسلام ایک نہیں۔	ایمان و اسلام ایک ہی ہیں۔
۳۱	سعادت شقاوت میں اور شقاوت سعادت میں نہیں بدلتی۔	سعادت کبھی شقاوت اور شقاوت کبھی سعادت ہو جاتی ہے۔
۳۲	ایمان میں استثناء جائز ہے۔	ایمان میں استثناء جائز نہیں۔
۳۳	انبیاء و رسل علیہم السلام دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حکم رسالت میں باقی رہتے ہیں۔	انبیاء و رسل علیہم السلام دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی رسل رہتے ہیں۔
۳٤	ذکورت نبوت کیلئے شرط نہیں ہے۔	ذکورت نبوت کیلئے شرط ہے۔
۳۵	ملائکہ عامہ بشر سے افضل ہیں۔	عامہ متقین عامہ ملائکہ سے افضل ہیں۔
۳٦	قدرت حقیقیہ ضدین سے اتصاف کی صلاحیت رکھتی ہے۔	قدرت حقیقیہ ضدین سے اتصاف کی صلاحیت نہیں رکھتی۔
۳۷	بندے کی قدرت اس کے افعال میں موثر ہے۔	بندے کی قدرت اس کے افعال میں موثر ہے۔
۳۸	ایقاع معدوم محض ہے۔	ایقاع معدوم محض نہیں بلکہ وہ نہ موجود ہے نہ ہی معدوم۔ اسے حال کہتے ہیں۔
۳۹	بعد از ارتداد' توبہ سے سابقہ اعمال لوٹ آتے ہیں۔	بعد از ارتداد' توبہ سے سابقہ اعمال لوٹ نہیں آتے۔
٤۰	آخرت میں کفار سے ان کے دائمی عذاب پر ترک عبادات و فرائض کا تاوان ہوگا۔	آخرت میں کفار سے ان کے دائمی عذاب پر ترک عبادات و فرائض کا تاوان نہیں ہوگا۔

"علمِ الکلام اشعری کا دِراسی منہج"

	پہلا مرحلہ
1	الـخريدة البهية مع شرح الفاضل الدِّردير.
2	العقيدة السنوسية مع شرح صُغرى الصُّغرى.
3	جوهرة التوحيد مع شرح الفاضل إبراهيم البيجوري.
	دوسرا مرحلہ
3	الاقتصاد في الاعتقاد للغزالي.
4	الـمعالـم في أصول الدين للرازي مع شرح السنوسي على الكُبرى.
5	شرح العقائد النسفية مع حواشي الفاضل خيالي، والفاضل عصَّام، و الفاضل عبد الـحكيم السيالكوتي.
	تیسرا مرحلہ
6	شرحُ الطَّوالع للأصفهاني.
7	الأربعين في أصول الدين للإمام الرازي.
8	الإرشاد للامام الـجُوَيْني.
	چوتھا مرحلہ
9	شرح الـمقاصد للإمام التفتازاني.
10	شرح الـمواقف للسيد الشريف الجرجاني.

نوٹ: علم الکلام کا یہ منہج استاذ شیخ سعید فودہ حفظہ اللہ تعالی نے وضع فرمایا ہے۔ماہرین فن کو اختیار ہے کہ حسب طبائع طلباء اور ثقافت امصار واعصار کا لحاظ کرتے ہوئے کوئی اور منہج بھی وضع فرماسکتے ہیں۔

علم الکلام ماتریدی کا دِراسی منہج

	پہلا مرحلہ
١	بدء الأمالـي للإمام سراج الدين الأوشي، مع شرح الإمام شمس الدين النكساري شارح العمدة .
٢	عمدة الاعتقاد للإمام حافظ الدين النسفيِّ مع شرح الشيخ النجَّاريِّ.
٣	القصيدة النونية للجلال خضر بك مع شرح الفاضل الـخيالي
	دوسرا مرحلہ
٤	الحجة البالغة الجنية للإمام شهاب الدين المرجاني.
٥	صدق الكلام للإمام كمال الدين الأندكانـي
٦	إشارات المرام من عبارات الإمام للإمام البيَّاضي
	تیسرا مرحلہ
٧	الكفاية للإمام الصابوني.
٨	تبصرة الأدلة للإمام النسفيِّ.
٩	الصحائف الإلٰـهية للسمرقنديِّ.
	چوتھا مرحلہ
١٠	أصول الدين للبزدويِّ.
١١	بحر الكلام للنسفيِّ.
١٢	الـمسايرة لابن الهمـام.

مبادی علم الکلام

تعریف علم الکلام : وہ علم جس سے عقائد دینیہ کو دلائل یقینیہ سے ثابت کرنے اور عقائد دینیہ سے شبہات کو دور کرنے کی قدرت حاصل ہو۔

موضوع : اس کا موضوع "**المعلوم**" ہے لیکن بایں حیثیت کہ اِس سے عقائدِ دینیہ کا اِثبات متعلق ہو۔ یہ علم علی الاطلاق دیگر عُلوم سے اَعم ہے؛ کیونکہ ہر فن کسی خاص معلوم میں بحث کرتے ہیں جیسے علم الفقہ افعالِ مکلفین سے بحث کرتا ہے جو معلوم خاص ہے، اور علمِ طب بدن انسانی سے صحت و فساد کے اعتبار سے بحث کرتا ہے۔ جبکہ یہ علم مطلق معلوم سے بحث کرتا ہے جس کا تعلق عقائد اسلام کو مضبوط دلائل کے اثبات سے ہے۔

اسی لئے ایک متکلم (علم الکلام کے طالب علم) کیلئے ضروری ہے کہ وہ علم و معرفت میں اہل زمانہ سے فائق اور نظرِ دقیق کا حامل و سائق ہو اور ساتھ ہی علوم مروجہ کو اچھی طرح سے جانتا ہو تا کہ کلامی استدلالات میں سے مفید چیزوں کو لے سکے اور مقاصد علم الکلام کے اثبات میں انہیں کام میں لائے۔

تنبیہ اول! علمِ الکلام میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ علمائے متاخرین پر علمائے متقدمین کی دلیل کا ضعف ظاہر ہوتا ہے تو اُس صورت میں متکلم پر شرعاً واجب ہے کہ وہ اس وقت شخصیت کو نہیں، بلکہ اُن کی دلیل کے ضعف کو بیان کرے؛ کیونکہ علم الکلام کی بناء دلائلِ ضعیفہ پر کرنا جائز نہیں۔ اس کی مثالیں دیکھنا مقصود ہوں تو بنظر انصاف امامِ اہل سنت سیدنا مفتی امام احمد رضا خان ہندی رحمہ اللہ تعالی کی کتاب "اَلْقَمْعُ الْـمُبِيْنِ لِآمَالِ الْـمُكَذِّبِيْنَ" ملاحظہ فرمائیں[20]۔

تنبیہ دوم! جس طرح متکلم پر کثرتِ علم و عرفان سے متصف ہونا ضروری ہے اسی طرح اُس پر شرعاً واجب ہے کہ دنیا کی ہر وہ چیز جس کا تعلق اثباتِ عقیدہ سے ہو، اُسے اُس کی حقیقی شکل میں ملاحظہ کرے؛ کیونکہ عالم خدا کے وجود پر دلیل ہے

---

(٢٠)- آپ اس رسالہ کو فتاویٰ رضویہ، جلد ١٥ رضا فاونڈیشن میں ملاحظہ فرماسکتے ہیں۔

اور جب نظر میں تجرید ذھنی حاصل نہ ہو اور اس حالت میں عالم کے جواہر و اعراض میں غور کرے گا تو یا دھوکا کھائے گا یا کوئی اور اُسے دھوکا دے دے گا، جس سے مقصد نظر حاصل نہیں ہو گا۔

غرض و غایت: علم الکلام کی غرض و غایت یہ ہے کہ عقائدِ اسلامیہ پر یقینی دلائل کو قائم کرنا اور اُن سے شبہات کو دور کرنا، اِس فن کی غرض و غایت ہے۔

فائدہ: فاضل جلال الدین الدوّانی قدس سرہ نے اس قید (ان سے شبہات کو دور کرنے کی قدرت) کے تحت اپنے "رسالہ علم الکلام" میں فرمایا: اس قید میں طلباء و علماء کیلیئے درس ہے کہ اپنی تحصیل علم الکلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں، بلکہ خود کو دینِ محمدی ﷺ کی نصرت کیلیئے مستعد کریں؛ کیونکہ شبہات قیامت تک نہیں رکیں گے، ہوتے رہیں گے لہٰذا علم الکلام کی تعلیم و تعلم بھی قیامت تک چلتی رہے گی۔

فصل اول

"وجود باری تعالیٰ کا اثبات"

ترجمہ : جان لیں ! کہ اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل بے شمار ہیں یا ان گنت ہیں؛ کیونکہ ہر شئی اس کے وجود پر دلیل اور اسکی طرف لے جانے والی ہے۔ ہمیں چاہیے کہا اس باب کی جانے والی بحث کو تین مقامات میں تلخیص کر دیں۔

پہلا مسلک : موجودات کی اقسام یعنی زمین و آسمان ' حیوانات و نباتات ' پہاڑ اور دریا ' تیز ہوائیں وغیرہا میں موجودہ نشانیوں کے ذریعے وجود باری تعالیٰ پر استدلال کرنا؛ کیونکہ موجودات کی یہ تمام اقسام اس بات پر دال ہیں کہ ان کا کوئی بنانے ضرور موجود ہے اور یہ معنی اللہ تعالیٰ کے کثیر ارشادات میں (بھی) موجود ہے۔

اور قرآن مجید میں جن موجودات (زمین 'آسمان ' سورج ' چاند ' وغیرہا) کی تخلیق پر تنبیہ فرمائی گئی ہے اس میں یہ معنی بدرجہ اتم موجود ہے اور یہ قرآن میں بہت ہے۔

جو چیز آپ سے سب سے زیادہ قریب ہے یعنی آپ کا وجود تو اس میں بے شمار محیر العقول ترتیبات اور تدبیرات موجود ہیں اور یہ خدا کے وجود پر قطعی دلیل ہے ' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات میں تخلیق پر تنبیہ فرمائی ہے جیسے فرمایا: (وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ) [المؤمنون: [۱۲] سے (ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰالِكَ لَمَيِّتُوْنَ) [المؤمنون:۱۵]، اور فرمایا: (وَفِيْ أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُوْنَ) [الذاریات: ۲۱].

انسان کی تخلیق کس قدر عجیب ہے کہ اسے باری تعالیٰ نے کمزور پانی سے یوں تخلیق فرمایا کہ ایک پانی کی بوند کو ہڈیوں میں منقلب فرمایا ' پھر ہڈیوں کے لائق رگوں کو بنایا اور ہر ایک رگ کی مخصوص منفعت ودیعت فرمادی ' اور جس عضو کو جتنی مقدار میں غذا کی حاجت ہوئی اُسے رگوں کے ذریعے سے اُس تک پہنچایا ' پھر مختلف قوتیں اس سے (بدن) میں پیدا فرمادی ' اور (سب سے بڑھ کر) عقل کو انسانِ ضعیف البنیان کا خاصہ بنادیا جس سے وہ دیگر جانداروں سے ممتاز ہو گیا ' (اور اس کی ہر ادا نرالی بنائی) کہ اس کا دیکھنا ' اس کا اپنے کانوں سے سننا ' زبان سے کلام کرنا ' ہاتھوں سے پکڑنا وغیرہ عجیب و غریب نشانیاں کہ جن کے ادراکات کی تحقیق میں اگر عمر عزیز صرف کر دی جاوے تو عمر ختم ہو جائے عجائبات ختم نہ ہوں۔

شک نہیں کہ یہ ایک علیم قدیر کی صنعت کا شہکار ہے۔ پھر یہ تو ایک انسان کا حال تھا ' اور اس سے بڑی مخلوقات کے عجائبات کا کیا حال ہو گا ! ؟ بس عجائبات خلق کے ادراک کے آگے عمر و عقول بہت کم ہیں '

شک نہیں کہ اللہ تعالی نے اس معنی پر اپنی کئیں آیات پر تنبیہ (بھی) فرمائی ہے ' "ارشاد ہوا کہ تم زیادہ مضبوط مخلوق ہو یا آسمان" سے لیکر اس آیت تک "کہ بلاشبہ آسمانوں اور زمین کی خلق لوگوں کی خلق سے بڑھ کر ہے۔

اسی طرح اگر آپ اپنے ماحول میں موجود ہر چیز میں غور کریں تو اس سے کئیں حکمتیں اور لطائف مطالعہ میں آئیں گے ' بلکہ ہر چیز اپنے خالق کے وجود پر دلیل قطعی ہے ' تو خدا کی دلیل کس قدر بڑی و جلی ہے ' اور اس کے وجود پر دلائل کس قدر زیادہ ہیں۔

تشریح

توضیح: یہاں تین باتیں بطور تمہید سمجھنی ضروری ہیں:

(1): دلائل بر وجودِ باری تعالی کو سمجھنے سے پہلے نفسِ دلیل کی معرفت ضروری ہے؛ کیونکہ مطلوب کا اِثبات دلیل پر موقوف ہے اور موقوف کی معرفت موقوف علیہ پر موقوف ہوتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے دلیل کی ماہیت اور اس کی حقیقت پر کلام کیا جاتا ہے۔

(2): دلیل کا لغوی معنی "راہ نمودن" یعنی راستہ دکھانا ہے۔ اور علم بحث کی اصطلاح میں دلیل وہ مفہوم ہے کہ جس میں کامل غور و فکر کر کے مطلوب خبری تک پہنچنا ممکن ہو، خواہ وہ مطلوب از قبیل تصورات ہو یا از قبیل تصدیقات جیسے دنیا ممکن الوجود ہے یہ ایک مطلوب خبری ہے جس کے کو ثابت کرنے کیلئے ہم نے اس کے احوال میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ دنیا میں جس قدر چیزیں ہیں وہ حرکت و سکون میں کسی ایک کے ساتھ موصوف ہیں یعنی حرکت یا سکون ان چیزوں کیساتھ قائم ہیں اور اصول ہے کہ جس چیز کیساتھ وصفِ حادث قائم ہو وہ خود حادث ہوتی ہے لہٰذا دنیا حادث ہوئی اور ہر حادث ممکن ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دنیا ممکن ہے۔

(3): دلیل کے بارے میں تین مذاہب ہیں:

مذہب متکلمین: دلیل کا لغوی معنی راہ دکھانے والی شی ہے اور اصطلاح متکلمین میں دلیل وہ مفہوم ہے جس میں درست غور و فکر کر کے مطلوب تک پہنچنا ممکن ہو۔ جیسے (اَلْعَالَمُ) وجودِ باری تعالی پر دلیل ہے؛ کیونکہ اگر اُس کے احوال یعنی تغیر، حُدوث، اِمکان میں درست غور فکر کیا جائے بایں طور کہ قیاس کی شکل و مادہ دونوں درست ہوں۔ عالم کے اَحوال میں تفکر کیا جائے تو اُس کا ایک حال متحرک و ساکن ہونا بھی ہے تو اب قیاس کو ترتیب دیا جائے: کہ عالم میں جس قدر چیزیں

ہیں سب متحرک ہیں یا ساکن، اور حرکت اور سکون دونوں ہی حادث ہیں تو عالم میں جس قدر چیزیں ہیں سب حادث ہوئیں ۔اور ہر حادث صانع قادر مختار کا محتاج ہوتا ہے لہٰذا عالم صانع قادر و مختار کا محتاج ہوا۔

مذہبِ اُصولیین : اہلِ اُصول کے نزدیک دلیل ایک مفہومِ بسیط کا نام ہے کہ جس میں اگر حقیقی غور وخوض کر لیا جائے ۔ جیسے العالَم کہ اجزائے العالم (یعنی اجسام طبعیہ وفلکیہ پھر انکی صفات جیسے تحرک وسکون وامکان وحدوث وغیرہا) میں اگر درست غور وفکر کر لیا جائے تو مقصود (حدوث عالم) تک پہنچ جائیں۔

مذہبِ مناطقہ : اہلِ منطق کے نزدیک دلیل صُغریٰ و کُبریٰ سے مرکب قیاس کا نام ہے جیسے صغریٰ (عالم متغیر ہے) اور کبریٰ (ہر متغیر حادث ہے)۔ لہٰذا جب دونوں کو ملایا تو نتیجہ آیا کہ عالم حادث ہے۔

(3) : دلائل کی دو قسمیں ہیں : (1) : دلیل انی۔ (2) : دلیل لمی۔

دلیلِ انی : وہ دلیل ہے جس میں معلول (اثر) سے علت (موثر) پر استدلال کیا جائے جیسے عالم کے اس شاندار نظام میں موجود آثارِ قدرت سے اُن کے بنانے والے (اللہ تعالی) کے وجود پر دلیل پکڑنا۔

نوٹ : قرآنِ مجید و سنتِ نبویہ ﷺ میں جو دلائل، باری تعالی کے وجود پر وارد ہوئے وہ سب کے سب دلائل اِنیہ ہیں۔

دلیل لمی : وہ دلیل جس میں علت (موثر) سے معلول (اثر) پر استدلال کیا جائے جیسے صانع کے وجود سے مصنوع کے وجود پر استدلال کرنا۔

نوٹ : صُوفیائے کِرام وفلاسفہ اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالی کی معرفتِ ذاتیہ محال ہے۔ اور جُمہور متکلمین دینِ متین کے نزدیک ممتنع بالغیر ہے یعنی عقلا ممکن ہے۔ لیکن مذہبِ حق مذہبِ صُوفیاء ہے کما نصَّ علیه بَحْرُ الْعُلُوْمِ عبدُ الْعَلِيِّ اللَّكْنَوِيِّ في "شرح سُلَّم العلوم".

(4) : اس عالم میں جس قدر چیزیں ہوئی یا ہیں یا ہونگی وہ سب اِن تین موادِ عقلیہ سے خالی نہیں :

(1) : وُجُوب۔ (2) : اِمکان۔ (3) : اِستحالہ۔ یعنی جو مفہوم بھی ہماری عقل میں آتا ہے اس چیز کا موجود ہونا ضروری ہوگا اور نہ ہونا محال ہوگا' یا اس چیز کا نہ ہونا ضروری ہوگا اور اور اس کا ہونا محال ہوگا' یا اس چیز کا موجود ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہونگے۔

تو جس چیز کا وجود ضروری ہو' اور عدم محال ہو وہ "مفہوم وجوب" ہے اور جس ذات پر یہ مفہوم صادق آئے وہ "واجب" ہے۔

اور جس کا عدم ضروری ہو' اور وجود محال ہو وہ "مفہوم امتناع" ہے اور جس ذات پر یہ مفہوم صادق آئے وہ "**ممتنع**" ہے۔

اور جس چیز کا ہونا اور نہ ہونا ضروری ہو وہ مفہوم امکان ہے اور جس ذات پر یہ مفہوم صادق آئے وہ "**ممکن**" ہے۔

واجب کی مثال : وجود باری تعالی ہے۔

ممتنع کی مثال : اجتماع نقیضین ہے۔

امکان کی مثال : یہ عالم ہے

فائدہ : اللہ تعالی واجب الوجود ہے اور اسکے سوا جس قدر چیزیں ہیں وہ ممکن الوجود ہیں۔ ممتنع کا کوئی وجود نہیں ہوتا وہ عدم محض ہے۔

پھر ممتنع کی دو اَقسام ہیں : (1) : **ممتنع بالذات**۔ (2) : **ممتنع بالغیر**۔

ممتنع بالذات : وہ مفہوم ہے جس کو ملاحظہ کرتے ہی عقل بلا پس و پیش اس کے ممنوع ہونے کا حکم لگادے جیسے اجتماع نقیضین۔

ممتنع بالغیر : وہ مفہوم جس کا مصداق عقلا ممکن ہو لیکن کسی دلیلِ خارجی کی وجہ سے اس میں امتناع آیا ہو جیسے ایمان ابو جہل ؛ کیونکہ عقلا ممکن تھا کہ بو جہل ایمان لے آتا لیکن بنصِ قرآنی اس کا ایمان ممتنع ہو گیا۔

فائدہ : ممتنع بالذات کی تعریف یہ کرنا کہ "جس کی ذات عدم کا تقاضا کرے" غلط محض ہے؛ کیونکہ اس کی ذات متحقق ہی نہیں حتی کہ عدم کا تقاضا کرے بلکہ درست تعریف وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا۔

اور جس کا وجود اور عدم دونوں ہی برابر ہوں وہ "مفہوم امکان" ہے اور اس کا مصداق "ممکن" ہے۔ پھر ممکن کی دو اقسام ہیں : (1) : ممکن خاص۔ (2) : ممکن عام۔

اگر ممکن میں "وجود" و "عدم" دونوں طرفیں برابر ہوں تو اُسے "امکان خاص" کہتے ہیں جیسے سخت دھوپ میں بارش کا ہونا ایک امر ممکن ہے جس کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہے۔

اگر ممکن میں "وجود" یا "عدم" میں سے کوئی ایک طرف کسی طرح سے راجح ہو جائے تو اسے "امکان عام" کہتے ہیں۔ جیسے سخت دھوپ میں آسمان بادلوں سے بھر جائے اور محکمہ موسمیات بھی بارش ہونے کی خبر دے دے تو یہ جانب وجود راجح ہو جائے گی اور ایسے ممکن کو یوں تعبیر کیا جائے گا "امکان عام مقید بجانب الوجود" اور اگر آسمان پر بادلوں کا ظہور نہ ہو اور محکمہ موسمیات بھی خبر دے دے کہ بارش نہیں ہو گی تو اس وقت اس ممکن کو یوں تعبیر کیا جائے گا "امکان عام مقید بجانب السلب"۔

تقریر دلیل

اللہ تعالی کے وجود پر استدلال کرنے کے بہت طریقے ہیں۔ان میں سے تین طرق فن کلام کی کتابوں میں ذکر کئے جاتے ہیں :

(1) : مصنوعات سے وجودِ صانع پر استدلال۔ (2) : اَخبارِ انبیاء علیھم الصلوات والرحمات سے استدلال۔

(3) : فطرت سلیمہ کی گواہی سے استدلال۔

[مصنوعات سے وجود صانع پر استدلال]

جس عالم میں ہم رہتے ہیں وہ ممکن الوجود ہے ؛کیونکہ واجب الوجود اس لئے نہیں کہ وہ قابلِ تغیر ہے اور کوئی متغیر چیز واجب نہیں اور عالم تو قابلِ تغیر ہے لہٰذا عالم واجب نہیں۔ اور عالم کا ممتنع نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ کوئی ممتنع موجود نہیں اور عالم تو موجود ہے تو کوئی عالم ممتنع نہیں۔ تو ثابت ہوا کہ وہ ممکن ہے ۔

جب کُل عالم ممکن ہے تو اُس کے اجزاء بھی ممکن ہونگے ؛کیونکہ کل کا اِمکان جُزء کے اِمکان کو مستلزم ہے۔ تو تمام اجزائے عالم ممکن ہوئے لہٰذا ثابت ہوا کہ عالم میں جس قدر چیزیں ہیں وہ سب ممکن ہیں۔اور آپ جانتے ہیں کہ ممکن اپنے وجود کے ثبوت میں ایسی ذات کا محتاج ہوتا ہے جو واجب ہو ؛کیونکہ اگر وہ ذات جو اس ممکن کو وجود دے اگر وہ بھی ممکن ہو تو تَسَلْسُلِ مَا لَا نِـهَايَةَ لازم آئیگا،اور وہ بشہادتِ فطرت باطل ہے تو جس علت کی طرف ممکن محتاج ہو اس کا واجب ہونا ضروری ہے جو اسے عدم سے وجود کی طرف نکالے۔اور علت واجبہ اللہ تعالی کی ذات مقدسہ ہے۔اب ذرا اپنے ارد گرد بلند و بالا پہاڑوں' چمکدار شفاف چشموں' رنگین خوشبودار پھولوں' اور تازہ ہواوں' موسلا دھار بارشوں' سرسبز و شاداب جنگلوں وغیرہا ممکنات میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ سب اللہ تعالی کے محتاج ہیں اور ان میں ہر ایک ممکن وجود باری تعالی پر علامت و دلیل ہے ؛کیونکہ یہ سب اجزائے عالم ہیں اور عالم ممکن الوجود ہے اور ہر ممکن اپنے وجود میں علت واجبہ کا محتاج ہے تو روحانی طور پر نتیجہ ذہن میں مرتب ہوجائے گا کہ اس کی دلکشی و نورانیت اور اسکی خوبصورتی و لطافت

اس ذاتِ برحق کے دستِ قدرت میں جس کا عدم محال اور وجود ضروری ہے اور وہ واجب تعالی ہے کما سلف آنفا۔

اِسی معنی کی طرف قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے : (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ)۔

اب اس آیت کو اس مشہور قاعدہ کے تحت رکھ کر دیکھیں کہ جب کسی وصف پر حکم لگایا جاتا ہے تو وہ وصف اس حکم کی علت ہوتا ہے جیسا کہ اس کی مثال گزری ہے تو اس آیت کریمہ میں عبادت کا حکم (أُعْبُدُوْا) تخلیق (اَلَّذِيْ خَلَقَكُمْ) پر لگایا گیا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تمہارے آباء واَجداد کو پیدا فرمایا تو حسب ضابطہ سابقہ حکمِ عبادت کی علت تخلیقِ نفوس بنی؛ کیونکہ وجود سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں؛ کیونکہ جمیع کمالاتِ اِنسانیہ اسی وصفِ وُجود پر متفرع ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالی نے ممکن کو عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا جو تمام نعمتوں کی اصل ہے اور منعم کا شکر منعم علیہ پر عقلا واجب ہے۔ الغرض قرآن مجید میں ایسی آیات کثیر ہیں جن میں اس معنی پر تنبیہ پائی جاتی ہے۔

اگر آپ اپنے جسم میں ہی غور کرلیں جو آپ سے سب سے زیادہ قرب میں ہے تو معلوم ہوجائے گا کہ کوئی تو ہے جو اسے (بدن کو) غذا پہنچاتا پھر اُسے روکتا ہے، پھر ہضم بخشتا (قوت ہضم عطا فرماتا) ہے، پھر سہولتِ دفع کو (غذا کو آسانی کیساتھ نگلنے کیلئے) پیاس دیتا ہے پھر پانی پہنچاتا ہے پھر اس کے غلیظ (سخت) کو رقیق (پتلا)، لَزِجْ (لیس دار) کو مُنزلِق (چکنا) کرتا ہے۔ پھر ثُفلِ کَیلُوس (باریک آنتوں میں داخل ہونے سے پہلے معدے میں گندھے ہوئے آٹے کی طرح اکھٹی ہونے والی غذا) کو اَمعاء (آنتوں) کی طرف پھینکتا ہے۔ پھر مَاسَارِیقا (چھوٹی چھوٹی باریک اور سخت رگوں) کی راہ سے، خالص کو جگر میں لے جاتا ہے۔ وہاں کیمُوس (یعنی غذا کا وہ باقی حصہ جسے آنتیں اپنے اندر سے گزرتے وقت جذب کرلیتی ہیں) دیتا ہے۔ تلچھٹ (باقی ماندہ) کا (خلطِ) سودا، جھاگوں کا (خلطِ) صفراء، کچے کا بلغم، پکے کا خون بناتا ہے۔ فضلہ کو مثانہ کی طرف پھینکتا ہے۔ پھر انہیں بابُ الکبد کے راستے سے عروق میں بہاتا ہے۔

پھر وہاں سہ (3) بار پکاتا ہے۔ بے کار کو پسینہ بنا کر نکالتا ہے۔ عطر (خالص) کو بڑی رگوں سے جداول (بطونِ قلب کی شریانوں)، جداول سے سواقی، سواقی سے باریک عروق، پیچ در پیچ تنگ در تنگ راہیں چلاتا ہوا، رگوں کے دہانوں سے اعضاء پر انڈیلتا ہے۔ پھر یہ محال نہیں کہ ایک عضو کی غذا دوسرے پر گرے۔ جو (غذا) جس (عضو) کے مناسب ہے اسے (عضو کو) پہنچاتا ہے۔ پھر اعضاء میں چوتھا طبخ (پکانا) دیتا ہے کہ اس صورت کو چھوڑ کر صورت عضویہ (عضو ایک صورت سے دوسری صورت میں منقلب ہو جانا) لیں۔ ان حکمتوں سے بقائے شخص (باقی معین) کو مایتحلل (جو باقی بچے) کا عوض بھیجتا ہے۔ جو حاجت (ضرورت) سے بچتا ہے اس سے بالیدگی (پختگی) دیتا ہے۔

اور وہ ان طریقوں کا محتاج نہیں، چاہے تو بے غذا ہزار برس جِلائے (زندہ رکھے) اور نمائے کامل (مکمل نشو) پر پہنچائے۔ پھر جو فضلہ (زائد) رہا اُسے منی بنا کر صُلب (کمر کی ہڈی) وترائب (پسلیاں) میں رکھتا ہے۔ عقد و انعقاد (اجزاء کے ملنے ملانے) کی قوت دیتا ہے۔ زن و مرد کی تالیف (بناتا) کرتا ہے۔ عورت کو باوجودِ مشقتِ حمل و صعوبت وضعِ (عورت کو حمل کی تکلیف اور دردزہ کے باوجود) شوق بخشتا ہے۔ حفظِ نوع (بقائے انسانیت) کا سامان فرماتا ہے، رِحم کو اذن (صلاحیت) جذب دیتا ہے، پھر اس (مادہ) کے امساک روکنے) کا حکم کرتا ہے، پھر اُسے (رحم میں رُکے ہوئے مادہ انسانی کو) پکا کر خون بناتا ہے۔ پھر طبخ دے کر گوشت کا ٹکڑا کرتا ہے، پھر اس میں کلیاں، کنچھیاں نکالتا ہے۔ قسم قسم کی ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، گوشت پر پوست (کھال)، سیکڑوں رگیں، ہزاروں بے دست وپا (ناتمام حمل) کو ان ظلمتوں میں رزق پہنچاتا ہے۔ پھر قوت آنے کو ایک مدت (وقت) تک روکے رہتا ہے۔ پھر وقتِ معین پر حرکت وخروج کا حکم دیتا ہے۔ اُس کے لئے راہ آسان فرماتا ہے۔ مٹی کی مورت (پُتلی) کو پیاری صورت، عقل کا پتلا، چمکتا تارا، چاند کا ٹکڑا کر دکھاتا ہے (یعنی اس کمزور و بے زور مٹی کے پتلے کو عالم کلیات وجزئیات بنا کر قوموں کا سلطان بنا دیتا ہے)۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ. اور وہ اِن باتوں کا محتاج نہیں، چاہے تو کروڑوں انسان پتھر سے نکالے، آسمان سے برسالے۔ ہاں بتاؤ! وہ کون ہے؟ جس کے یہ سب کام ہیں، وہ کام صِرف اس کے ہیں جو خود مستقل بالذات ازلی ابدی اور قدیم ہے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ پھر غور تو کرو

کہ یہ عجب و محکم نظامِ حکمت کی ادنی تجلی تو تم نے اپنے بدن میں دیکھی ہے تو اس کے علاوہ جو اشیاء آپ کے ارد گرد ہیں ان کی ماہیات اور تراکیب و تآلیف عجیبہ وہیئات مخصوصہ کا کیا حال ہوگا ! ان میں کتنے عجائب قدرت مرموز ہونگے۔

متن : (وللسَّائلِ أنْ يسألَ هاهنا ثلاثة سؤالات: السُّؤال الأوَّلُ: إنْ قيلَ : ما الدَّليلُ على أنَّ هذه الـموجوداتِ مُـحْدَثَـةٌ بعدَ أنْ كانتْ معدومةً؟.

فالجوابُ: أنَّ الدَّليلَ على ذالك من وجهين:

الوجهُ الأوَّلُ أنَّها مفتقرةٌ

تشریح

مصنوعات سے وُجودِ صانع پر استدلال میں تین چیزوں کا کلیدی کردار ہے: (1): وجودِ مخلوقات کا حدوث اور (2): وجود کا موجِد کیساتھ تعلقِ افتقاری اور (3): صانع کا تعیین شخصی۔

[وُجودِ ممکن کا حدوث]

(1): **موجودات کا حدوث**۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر موجودات کو حادث نہ مانا جائے تو وہ واجب ہونگے یا ممتنع (محال) ۔ یہ واجب تو نہیں ہوسکتے؛ کیونکہ واجب وہ ہے جو کسی تغیر کو قبول نہ کرے جبکہ یہ موجودات اوراُن کی صفات تغیر کو قبول کرتی ہیں۔

یعنی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدل جاتی ہیں جیسے بیج کہ اپنی ابتدائی حالت کو ترک کرکے وہ پودا بنتا ہے پھر اس حالت کو ترک کرکے درخت بنتا ہے پھر اس ہیئت شجریہ کو ترک کرکے اس سے لکڑیوں کی تحصیل کی جاتی ہے پھر ان لکڑیوں کی ہیئت خشبیہ کو فناء کرکے اِنسانی ضرورتوں کے سامان تیار کیے جاتے ہیں۔ الغرض اِسی طرح کائنات کی ہر چیز کا حال ہے کہ وہ ایک حال کو ترک کرکے دوسرے حال کو طلب کرتی ہے اور جو ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت میں بدل جائے اسے متغیر وحادث کہتے ہیں؛ کیونکہ ایک حالت معدوم ہوکر دوسری حالت موجود ہوتی ہے جو پہلے نہ تھی' اب ہوئی۔اور ہر وہ چیز جو پہلے نہ ہو بعد میں معرضِ وجود میں آئے وہ حادث ہوتی ہے لہٰذا موجودات سب حادث ہوئے۔

اور ہر حادث کسی علتِ واجبہ (سبب حقیقی) کا محتاج ہوتا ہے جو اُسے عدم سے وجود کی طرف نکالے اور وہ علت واجب ہی ہو سکتی ہے؛ کیونکہ اگر وہ بھی حادث ہو تو اس کے لیے علت واجبہ درکار ہوگی، تو اگر وہ بھی حادث تو اُس کیلئے بھی علت درکار ہوگی ہلم جرا۔

اور یہ تو تسلسل لا الی نہایہ ہے اور تسلسل الی لا نہایہ جانبِ مبدء میں محال ہے۔ اور جو محال کو مستلزم ہو وہ بھی محال ہوتا ہے۔ لہٰذا علتِ واجبہ کا حُدوث محال ہے تو جب حُدوث محال ہوا تو وجوب ثابت ہوا تو وہ واجب ہوا جس نے سب کو وجود عطا فرمایا۔

"جواہر واَعراض کے حُدوث سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اِستدلال شریف"

مذکورہ دلیل کو "دلیلِ ابراہیمی" بھی کہتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے : اللہ تعالی نے قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کا جواہر واعراض کے حدوث سے وحدانیت پر استدلال کو بیان فرمایا : ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ ٱلَّيۡلُ رَءَا كَوۡكَبٗاۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّيۖ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ ٱلۡأٓفِلِينَ ٧٦ فَلَمَّا رَءَا ٱلۡقَمَرَ بَازِغٗا قَالَ هَٰذَا رَبِّيۖ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمۡ يَهۡدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلضَّآلِّينَ ٧٧ فَلَمَّا رَءَا ٱلشَّمۡسَ بَازِغَةٗ قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَآ أَكۡبَرُۖ فَلَمَّآ أَفَلَتۡ قَالَ يَٰقَوۡمِ إِنِّي بَرِيٓءٞ مِّمَّا تُشۡرِكُونَ ٧٨﴾-[سورة الأنعام: ٧٦-٧٩] .یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب شمس، قمر اور نجوم کے احوال میں صفتِ اُفول وانتقال کو ملاحظہ فرمایا، تو فرمایا کہ میں حادث کو خدا اقرار دینا پسند ہی نہیں کرتا چہ جائیکہ اسے رب سمجھ کر عبادت کروں۔

یہ معنی اِس آیتِ مبارکہ سے بایں طور پر حاصل ہوئے کہ جن جن چیزوں (سورج، چاند، اور ستاروں) میں ،وصفِ اُفول پایا گیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُس کو خدا ماننے سے انکارِ بلیغ فرمایا پھر اِس مجموعہ اَفعال پر (لَاأُحِبُّ) سے حکم لگایا اور ضابطہ ہے جب مشتق پر حکم لگایا جائے تو مبدءِ اشتقاق ہی حکم کی علت ہوتا ہے جیسے کہا جائے (أَكْرِمِ الْعَالِـمَ فِي السُّوْقِ/ کہ بازار میں عالم کی عزت کرو) اس میں حکم اکرام مشتق (اَلْعَالِـمَ) پر لگایا گیا ہے۔ لہٰذا حسبِ ضابطہ مذکورہ اِکرام کی علت اُس کا مبدءِ اشتقاق یعنی علم ہوا۔

تو معنی یہ ہوا کہ بازار میں بوجہِ علم عالم کی عزت کرو۔ اِسی طرح یہاں مشتق (الآفِلِیْنَ) پر عدمِ حُب جو کہ عدمِ اعتقادِ رُبُوبیت کو لازم ہے، کا حکم لگایا تو معلوم ہوا کہ عدمِ حُب کی علت صفتِ اُفول ہے۔ اور وصفِ اُفول عین انتقال ہے اور انتقال عینِ حرکت تو وصفِ افول حرکت ہوا؛ کیونکہ حرکت کہتے ہیں کہ "کسی شی کا ایک مکان کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں آ جانا" تو جب وصفِ اُفول عین حرکت ہوا اور حرکت حادث ہے۔ تو سورج، چاند اور ستارے سب حادث ہوئے اور کوئی خدا حادث نہیں تو چاند سورج اور ستاروں میں کوئی خدا نہیں۔

[وُجُود کا مُوجِدُ کیساتھ تعلّقِ اِفتِقارِی]

(2) : **موجودات کی احتیاج مُوجِدُ کی طرف**۔ موجودات موجد کی طرف تین وُجوہ سے احتیاج رکھتے ہیں :

پہلی وجہ احتیاج : موجود دو حال سے خالی نہیں : یا اُسے کسی نے بنایا یا وہ خود سے ہی موجود ہو گیا۔ صورتِ دِوُم تو عقلا باطل ہے کہ شی خود سے موجود ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی ؛کیونکہ اگر شی خود اپنے وجود کو موجود کرے تو وہ صانع اور مصنوع دونوں ہو گی اور شیٔ واحد کا صانع و مصنوع ہونا باطل ہے ؛کیونکہ صانع کو وجودِ مصنوع پر تقدم ذاتی حاصل ہے اور صانع مصنوع ایک چیز ہونے کی تقدیر پر اپنی ذات پر تقدم لازم آئیگا ؛کیونکہ مصنوع وہ ہی صانع ہے تو اس اتحاد کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ صانع صانع پر مقدم ہے اور یہی تقدم الشئی علی نفسہ ہے جو کہ باطل محض ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ (أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْـخَالِقُوْنَ)۔ [الطور: ٣٥] میں اسی معنی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

دوسری وجہ احتیاج : یہ ہے کہ مصنوعات دو اقسام پر ہیں : (1) : بعض تو وہ ہیں جن کو انسان اپنے قدرت کاسبہ سے وجود دے سکتا ہے جیسے کتاب ، عمارت وغیرہا۔

(2) : بعض وہ ہیں جن کو انسان اپنی قدرتِ کاسبہ وجود نہیں دے سکتا جیسے درخت کی ٹہنی سے پھل نکالنا، پانی سے انسان کی صورت بنانا۔

اب دیکھیں مصنوعات کی قسمِ اول تو یقینی طور پر صانع کی محتاج ہے؛ کیونکہ جب ہم کسی کتاب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں فورا کاتب کا خیال آتا ہے اور جب کسی عمارت کو دیکھتے ہیں تو اس کے انجینئر کا خیال آتا ہے۔ الغرض ذہن فورا ان اشیاء کے صانع کی طرف منتقل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ عقل بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ یہ اشیاء خود سے معرض وجود میں نہیں آئیں بلکہ اُن کا کوئی صانع (بنانے والا) ضرور موجود ہے۔

تو جب ایسی چیزوں کو مشاہدہ کر کے ذہن صانع کی طرف منتقل ہوتا ہے جن پر ہمیں قدرت کاسبہ ہے تو جن چیزوں کی تخلیق پر ہمیں قدرت ہی نہیں تو ان کو مشاہدہ کر کے ذہن صانع کی طرف بدرجہ اولیٰ منتقل ہو گا۔

تیسری وجہ احتیاج : یہ کہ موجوداتِ مکانیہ جیسے عالم میں موجود تمام اشیاء وہ سب ممکنات ہیں کما تقرر بالبرہان۔ اور ممکن وہ ہے جس کا نہ وجود ضروری ہو اور نہ ہی عدم یعنی وجود و عدم کی دونوں اطراف برابر ہوں۔ تو لا محالہ ایک ایسی علتِ واجبہ ضروری ہے جو اُسکے وجود کو عدم پر راجح فرمادے۔ اور وہ علت اللہ تعالی کا وجود ہے کہ اس کے سوا کوئی واجب نہیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا ہے : (وَرَبُّكَ يَـخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَـخْتَارُ) – [القصص :٦٨]. یعنی: تیرا رب جو چاہتا ہے بناتا ہے اور پسند فرماتا ہے۔

[صانعِ کا تعینِ شخصی]

اِس کی دلیل یہ ہے کہ اُس ذاتِ برحق کے علاوہ کوئی ذات موجود نہیں جو مخلوقات کو بنا سکے؛ کیونکہ موجودِ نامی (بڑھنے والا) یا تو ذی عقل ہوگا یا عقل سے عاری ہوگا۔ اگر عاقل ہو تو وہ انسان ہے اور غیر عاقل ہو تو وہ بہائم و جانور ہیں۔ اور موجود غیر نامی ہو تو وہ جماد ہے جیسے شمس و قمر و حجر و قبر وغیرہا۔ انسان جو کہ موجود عاقل نامی ہے وہ مخصوص پانی سے انسانی شکل تیار کرنے پر قادر ہے اور نہ ہی درخت کی شاخ سے پھل نکالنے پر قادر ہے تو جب موجودِ عاقل نامی اس تخلیق پر قادر نہیں تو جو موجود غیر عاقل ہو وہ کس طرح اِس تخلیق پر قادر ہو سکتا ہے؟ اور جب نامی قادر نہیں تو غیر نامی جمادات کیسے قادر ہو سکتے ہیں؟!

تو معلوم ہوا کہ مخلوقات کا خالق جنس مخلوق (مخلوقات میں سے ہی) نہیں بلکہ ان سے منفصل (جدا) ہے اور وہ اللہ تعالی کی ذات ہے۔ اور یہ بات تو نادان لڑکے بھی جانتے ہیں کہ اگر تمام مخلوق یہ پلان بنائیں کہ وہ ایک چیونٹی تیار کریں گے وہ قدرتی چیونٹی کی تصویر تو بنا سکتے ہیں لیکن اُس کا ذی رُوح وجود نہیں بنا سکتے تو جب وہ چیونٹی جیسی انتہائی چھوٹی چیز ان سے نہ بن سکی اور نہ ہی بن سکتی ہے تو اسے کئیں درجہ بڑی چیزوں کو تخلیق کرنا ان سے کیسے تصور کیا جا سکتا ہے؟ اسی لئے باری تعالی نے فرمایا تھا:

(إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَاباً وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهُ)— [الحج: ٧٣] یعنی جن بتوں کو تم خدا کے مقابلے میں پوجتے ہو، وہ اگر کسی چھوٹی مکھی کو بنانے کیلئے جمع ہو جائیں تو وہ اسے ہرگز نہیں بنا سکتے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی ہی مخلوقات کی تخلیق میں منفرد اور یکتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: (أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ أَأَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُوْنَ) –[الواقعة: ٥٨/ ٥٩] سے (فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ) — [الواقعة: ٧٤] تک۔

[اَخبارِ اَنبیاء علیہم الصلوات والرحمات سے استدلال]

انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو اللہ عزوجل کی وحدانیت کی طرف مدعو (بلایا) کیا۔ اور اللہ تعالی نے اُن کی صداقت (سچائی) کو لوگوں پر عیاں(آشکار) کرنے لیے متعدد معجزات ظاہر فرمائے جن سے عقول عاجز آگئیں جیسے حضرتِ سیدنا صالح علیہ السلام کے دستِ مبارک سے یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ آپ کا اِشارہ پاتے ہی پہاڑ سے ایک حاملہ اونٹنی برآمد ہوئی اور اس نے بچہ جنا۔

اسی طرح حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا عصائے مبارکہ اژدہائے عظیم (بڑاسانپ) بن گیا جس نے جادو کے زور پر رسیوں سے منقلب سانپوں کو یکبار ہی نگل گیا' سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے مردے جلادیے۔

خَاتَمُ النَّبِیِّیْنْ سیدنا رسول اللہ ﷺ کی انگشت مبارک (انگلی مبارک) کے اِشارے سے چاند دو ٹکڑے ہوگیا اور آپ ﷺ کی انگشتہائے مبارکہ (انگلیاں مبارکہ) سے میٹھے پانی کے چشمے جاری ہوگئے اور اِس کے عَلاوہ کثیر معجزات جو انبیاء کرام علیہم السلام کو انکے دعوی نبوت کی تصدیق کیلئے بارگاہ باری تعالی سے عطا ہوئے۔

اِن معجزات کو مشاہدہ کرنے کے بعد یا اِنکی اَخبار کو تواتر کیساتھ سننے کے بعد واجب ہے کہ انسان خالقِ معجزات پر ایمان لائے اور اس کے منتخب کردہ رسولوں کا قولا و فعلا اتباع کرے۔ تو جس نے اُن کی کامل اتباع وہ نجات پاگیا اور جس نے ان کے اَحکام سے رُوگردانی کی وہ ہلاک ہوا؛ کیونکہ اُن کا حکم اللہ ہی کا حکم ہے جس نے اُن کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ اگر قرآن مجید میں غور کیا جائے بہت سی آیات ہیں جو ہمیں اسی بات کی ہدایت دیتی ہیں کہ شرعی اعتبار سے رسول علیہ السلام کا حکم اللہ تعالی ہی کا حکم ہے۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (فَمِنْهُم مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِباً فَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ، وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا)- [العنكبوت : ٤٠].

یعنی: کفار میں بعض قوموں پر ہم نے تیز آندھی بھیجی، تو بعض کو ایک زور دار آواز نے آپکڑا، اور ان میں بعضوں کی زمیں سمیت دھنسادیا، اور ان میں بعض کو پانی میں ڈوبو دیا۔

اور ارشاد فرمایا: (ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا)- [يونس: ١٠٣].

سوال: انبیاء کی اخبار سے وجودِ باری تعالی پر استدلال نا معقول ہے؛ کیونکہ شریعت موقوف ہے قولِ رسول پر، اور قولِ رسول موقوف ہے قولِ الٰہی پر۔ تو شریعت موقوف ہوئی قولِ الٰہی پر، اور وجودِ الٰہی کا انکار کرنے کیساتھ قول الٰہی کا اقرار کرنا محال ہے؛ کیونکہ قول ایک وصف ہے جو موصوف کیساتھ قائم ہے اور جب موصوف کا وجود نہ ہوتو وصف قائم نہیں رہتا، تو اخبارِ انبیاء علیہم السلام سے وجودِ باری تعالی پر استدلال نا معقول ہے۔

جواب: انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اور اُنہیں جھٹلانے والوں کا انجام کسی پر چھپا نہیں ہے جس کا بیان قرآنِ مجید اور کتبِ سابقہ میں موجود ہے بلکہ امت نے اسے تواترا اہلِ کتاب، حکماء، مورخین، اور شعراء سے نقل کیا ہے، تو جو چیز درجہ تواتر کو پہنچی ہوئی ہو وہ تو مثلِ مشاہدہ و معاینہ ہوتی ہے اور مشاہدات کا انکار کسی عاقل سے متصور نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل سے متصور ہو!

نیز اگر ہم دنیا کی سیر کریں تو اردن و مصر و طائف و فلسطین اور سُدُوم وغیرہا میں ایسی بستیاں موجود ہیں جن پر عذاب الٰہی کے آثار بالکل ظاہر ہیں جیساکہ نیچے دی گئی تصویر میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے

عذابِ الٰہی ہولناک آثار

[فطرت کی شہادت سے خدا تعالی کے وجود پر استدلال]

مبدءِ سببیت انسان کے خمیر میں رکھا گیا ہے یعنی طبیعتِ انسانی میں ہر چیز کا سبب جاننے کی تمنا پنہاں ہے جیسے کوئی پرندہ ہوا میں اُڑ رہا ہو اور اچانک سے پھٹ پڑے تو فوراً ہمارے ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ اس پھٹنے کا کیا سبب ہے؟

یا آپ کسی ایسے کمرے میں ہوں جہاں روشنی کا نام ونشان تک نہ ہو پھر اچانک سے روشنی چمکے اور غائب ہو جائے تو عقل پوچھتی ہے کہ آخر یہ روشنی کس سبب سے پیدا ہوئی؟ پھر آپ اس کے سبب کو تلاش کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

الغرض مبدءِ فطرت میں سببیت رکھی گئی ہے اِن باتوں کو ہر عاقل سمجھتا جانتا اور مشاہدہ کرتا ہے بلکہ جو مبدء سببیت کا انکار کرے تو اس میں اور گدھے میں فرق نہیں رہتا کما قال الامام فخر الدین الرازی؛ کیونکہ اس کا مالک بھی اسے بیت سے مارتا رہتا ہے اور وہ بغیر پیچھے دیکھے بھاگتا رہتا ہے اور سبب ضربِ تلاش نہیں کرتا۔ اسی طرح بشر کی ماہیت میں مبدءِ سببیت موجود ہے پھر یہ الگ بات ہے کہ اس کے والدین اسے یہودی بنادیں یا نصرانی۔

اسی لئے خاتم النبیین ﷺ نے فرمایا: "ہر پیدا ہونے والی ذات طرز فطرت پر پیدا ہوتی ہے اور اس کے والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی"۔

انسان جب علمِ التشریح کا وسیع مطالعہ کرتا ہے تو اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بدنِ خاکی میں بے شمار عجائبِ قدرت کس طرح حُسنِ تنظیم کیساتھ مجتمع کردیے گئے ہیں کہ وہ تو اس کا عُشر عشیر بھی بنانے سے عاجز ہے۔ تو لا محالہ اس عجیب الخلقت جسم کا خلاق علیم قدیم ہے۔

آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے فرمایا: (فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفاً ج فِطْرَتَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا) –[الروم: ٣٠].

رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلىَ الْفِطْرَةِ) – [البخاريّ :١٣١٩] ۔فطرت اُس وصف کو کہتے ہیں جس پر اللہ تعالی نے لوگوں کو پیدا کیا یعنی اسکی معرفتِ استعداد اور قبولِ حق اور باطل سے اِعراض کرنے کی صلاحیتیں اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کی قوتیں وغیرہا۔

تو حدیث شریف کا معنی ہوا: کہ ہر بچہ یا بچی ایسی صفت پر پیدا کیا گیا ہے کہ اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اور کوئی خارجی (یعنی فاسد تربیت' والدین کی تقلید' اتباع شہوت' محسوسات سے غایت درجہ کی الفت وغیرہا) قوت اُسے نظر صحیح سے نہ روکے تو وہ ضرور عجائبات قدرت میں غور کرے گا اور اس بات پر ایمان لائے گا کہ اس کا جاعل واحد عزیز پرودگار ہے۔

الفصل الثاني: في التَّوحيد وهو معنى قولنا : لا إله إلَّا الله.

متن

ترجمة

تشریح

تمہید

تمہید : معلوم ہونا چاہیے کہ کسی چیز کی نفی تین طرح سے ہو جاتی ہے :

(1) : اس کی حرف نفی کے ذریعے صراحت کیساتھ نفی کر دی جائے جیسے (زَیْدٌ قَائِمٌ) کی نفی (زَیْدٌ لَیْسَ بِقَائِمٍ) کی صورت میں کر دی جائے۔

(2) : دوسری صورت یہ ہے کہ اُس چیز کے لازم کی نفی کر دی جائے تو اُس چیز کی نفی ہو جائے؛ کیونکہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے جیسے (زَیْدٌ قَائِمٌ) کی نفی (زَیْدٌ مَیِّتٌ) کی صورت میں کی جائے؛ کیونکہ قیام ایک ایسی صفت ہے جس کا تحقق بغیر زندگی کے ممکن ہی نہیں تو قیام لازم ہے زندگی کو تو قیام لازم ہوا اور زندگی ملزوم اور لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے لہٰذا جب زید سے زندگی کی نفی کی گئی تو اس سے قیام کی بھی نفی ہو گئی۔

(3) : تیسری صورت یہ ہے کہ اس کی حقیقت کے منافیات میں سے کسی منافی کا اِثبات کر دیا جائے جیسے (زید معدوم) میں کہ زید کیلئے وصفِ عدم کا اِثبات کیا گیا ہے اور وصفِ عدم ، وصفِ وجود کا منافی ہے؛ کیونکہ وجود و عدم نقیضین ہیں اور بداہت عقل سے ثابت ہے کہ (اَلنَّقِیْضَانِ لَایَجْتَمِعَانِ، وَلَایَرْتَفِعَانِ) کہ دو نقیضین نہ جمع ہو سکتی ہیں نہ ہی اٹھ سکتی ہیں یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی چیز سے نقیضین کا انتفاء ہو جائے جیسے (وجود) اور (عدم) دونوں ہی بیک ایک چیز سے منتفی ہو جائیں کہ وہ چیز نہ معدوم ہو اور نہ ہی موجود ہو یا اس میں وہ چیز موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو۔ لہٰذا جس چیز کا جب وجود متحقق ہو گا وہاں اس کا عدم منتفی ہو گا اور جہاں عدم ہو گا وہاں اس کا وجود نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا کسی چیز کیلئے ایک نافی کا اثبات اس کے وجود کو معدوم کرنے کیلئے کافی ہے۔

اس فائدہ کو ہمارے آقائے نعمت سرکار اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا خان القادری رحمہ اللہ تعالی نے اپنے مجموعہ فتاوی' بنام العطایا النبویة في الفتاوی الرضویة جلد ۱۵، ص: ۵۳۲ میں ذکر فرمایا ہے۔

تقریرِ دلیل

جب یہ نفی کے یہ طریقے آپ کو ذہن نشین ہوگئے تو صفاتِ سلبیہ کو بیان کرنے کا مقصد بھی معلوم ہوگیا کہ وہ صفات جو وجوب الوجود کے منافی ہیں جیسے اس کا محتاج ہونا' یا اس کا جوہر ہونا' یا عرض ہونا' یا اس کا متحیز ہونا' یا اس کا محدود ہونا یا اس کا معدود ہونا وغیرہا صفات جو حدوث وامکان کو لازم ہیں' اگر اُن کا اِثبات باری تعالی کے لئے کیا جائے تو معنی وجوب ہاتھ سے جاتا ہے اور جب وجوب اُٹھ جائے تو اِمکان رہ جاتا ہے کہ امتناع تو کوئی چیز ہی نہیں۔ تو اگر ہم صفاتِ سلبیہ میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالی سے سلب محض اُنہیں چیزوں کا ہے جو اُس کے حدوث کو مستلزم ہیں ۔ اللہ تعالی کی صفات سلبیہ کا بیان آئندہ آئیگا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ باری تعالی سے مکانیت' زمانیت' جوہریت' عرضیت' عددیت' حدیت وغیرہا کی نفی پر یقین اسی صورت میں حاصل ہوگا جب ہمیں ان چیزوں زمان' مکان ' جوہر' عرض' حد وغیرہا کی معرفت ہوگی؛ کیونکہ نفی کرنا ایک حکم ہے اور کسی چیز پر حکم لگانے سے پہلے اس کا تصور لازمی ہے ورنہ مجہول چیز پر حکم لگانا لازم آئیگا جو کہ باطل محض ہے۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ علماء علم الکلام سے پہلے علم الفلسفہ پڑھنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ اور اس کا مقصد یہ نہیں کہ جس نے فلسفہ قدیمہ نہیں پڑھا وہ علم الکلام حاصل کرنے میں نابینا کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ اگر اس نے فیزکس اور میٹا فزیکس اچھی طرح پڑھ لی ہے تو یہ اسے کفایت کرے گا لیکن خاص متقدمین جیسے امام فخر الدین رازی و امام ابو حامد محمد غزالی' وامام ابو بکر باقلانی وغیرہم کی کتب سے استفادہ فلسفہ قدیمہ کے اصطلاحی دراسہ کے بغیر ناگزیر ہے۔ وَاللهُ الْمُوَفِّقُ

فاضلِ غرناطی نے یہ فصل بیانِ توحید کیلئے لکھی ہے ؛کیونکہ وحدانیت ایک ایسی صفتِ سلبیہ ہے جس پر کئی صفات الٰہیہ کے ثبوت کے دلائل متفرع ہوتے ہیں جیسے اُس کا کوئی شریک نہیں، نہ ہی اس کی کوئی بیوی، نہ کوئی اولاد بلکہ وہ بغیر عدد کے واحد ہے یعنی سلسلہ اعداد میں جو چیز آتی ہے وہ معدود ہوتی ہے اور۔

اللہ تعالی کی وحدانیت کے کثیر دلائل ہیں، جس پر قرآن وسنت کی نصوص ناطق ہیں۔ فاضلِ غرناطی قدس سرہ نے یہاں چار وجوہ سے وحدت باری تعالی پر دلائل ذکر کئے ہیں :

پہلی دلیل : ہر شی مخلوق ہے جس کا خالق ایک ہوسکتا ہے ؛کیونکہ ایک فعل اپنی تمام صفات کے اتحاد کیساتھ دو فاعلوں سے صادر نہیں ہوسکتا، تو معلوم ہوا کہ خالقِ مخلوق ایک ہے وہ اللہ تعالی ہے۔

جیسے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا : (واتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِه آلِـهَةً لَّا يَـخْلُقُوْنَ شَيْئاً وَهُمْ يُـخْلَقُوْنَ) – [الفرقان :٣]

یعنی : اُنھوں نے خدا کے سوا ایسے معبودین بنالئے ہیں جو کسی ادنی چیز بنانے کی طاقت نہیں رکھتے حالانکہ انہیں بنایا گیا ہے۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا : (قُلْ أَرَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ أَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَـهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰاتِ) –[فاطر : ٤٠].

یعنی تم فرماو : تم (اپنے) شریکوں کو کیا سمجھتے ہو؟ کہ تم خدا کو چھوڑ کر اُنہیں پوجتے ہو۔ مجھے بتاو! کیا اُنھوں نے زمین بنائی ہے ؟ یا آسمان میں اُنکی اجارہ داری ہے ؟

اللہ تعالی نے فرمایا : (هٰذَا خَلْـقُ اللهِ فَأَرُوْنِـيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهِ) – [لقمان: ١١]. یعنی یہ سب اللہ کی مخلوق ہے تو مجھے دکھاو کہ تمہارے معبودانِ باطلہ نے کیا چیز بنائی ہے ؟

دوسری دلیل : یہ ہے کہ ماقبل میں طے ہو گیاہے کہ اللہ تعالی کے سوا، ہر موجود مخلوق ہے جسے اللہ نے بنایا ہے اور مخلوقات نے صفتِ خلق کو اسی کی عطا کردہ استعداد سے قبول کیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالی مخلوقات کا فاعل ہوا اور مخلوق اس کی قابل۔ اور عقل کے مطابق جو چیز قابل ہو وہ فاعل نہیں ہوتی نہ ہی اُس فاعل کی کسی وصف میں شریک ہوتی ہے۔

اور نہ ہی قابل فاعل کے مماثل ہوتی ہے ؛ کیونکہ قابل (یعنی کسی اثر کو قبول کرنے والی ذات) مخلوق ہے اور مخلوق خالق کے مشابہ نہیں ہوتی جیساکہ قرآنِ کریم کی متعدد آیات اِس معنی کی طرف ہماری راہ نُمائی کرتی ہیں :

اللہ تعالی نے فرمایا : (إِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ) - [الأعراف:١٩٤]. یعنی یقینا جن معبودان باطلہ کو تم خدا تعالی کے سوا پکارتے ہو وہ تمہاری مثل بندے ہیں۔

اور فرمایا : (قُلْ أَغَيـرَ اللّـهِ أَبْغِيْ رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ)- [الأنعام:١٦٤]. یعنی آپ فرمادو : کہ غیر اللہ کو رب ہونا پسند کرتا ہوں؟ حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔

تیسری دلیل : یہ ہے جسے برہانِ تمانع اور برہانِ نظار بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اگر ہم دو قادر خدا فرض کرتے ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہ ہونگے : ایک خدا مثلا زید کی زندگی کو چاہے گا اور دوسرا خدا اُس کی موت کو چاہے گا یا ایک جسم کو حرکت دینا چاہے گا اور دوسرا اُس ساکن کرنا چاہے گا ' تو اس وقت یہ تین صورتیں متصور ہونگی :

(1) دونوں کی مرادیں پوری ہوجائیں۔ (2) : کسی کی مراد بھی پوری نہ ہوگی۔ (3) : ایک کی مراد پوری ہو دوسرے کی نہ ہو۔

(1) : دونوں کی مرادیں پوری ہوجائیں۔ اور یہ محال ہے؛ کیونکہ ایک شخص زندہ اور مردہ نہیں ہوسکتا اور نہ حرکت وسکون ایک محل پر ایک جہت سے جمع ہوسکتے ہیں؛ کیونکہ یہ اجتماع نقیضین ہے اور اجتماع نقیضین محال ہے اور محالات سے قدرت متعلق نہیں ہوتی؛ کیونکہ قدرت کے تعلق کیلئے ضروری ہے کہ مقدور ممکن الوجود ہو۔ اور اجتماع نقیضین ممکن نہیں ' محال ہے۔

(2) : کسی کی مراد بھی پوری نہ ہوگی۔ اور دونوں کی نامرادی ' عجز وقصور (کمی) کو مستلزم ہے اور یہ محال ہے؛ کیونکہ دنیا کا ہر شخص یا تو زندہ ہے یا مردہ۔ اور دنیا کا ہر جسم متحرک ہے یا ساکن۔ اور یہ محال ہے کہ کوئی شخص نہ زندہ ہو اور نہ ہی مردہ ایسے ہی کوئی جسم نہ ساکن ہو نہ متحرک ۔ اور جو محال کو مستلزم ہو وہ خود محال ہوتا ہے لہٰذا دونوں کی نامرادی محال ذاتی ہوئی۔

(3) : ایک کی مراد پوری ہوگی اور دوسرا نامراد ہوگا ' تو جو نامراد ہوا وہ عاجز ہے اور جو عاجز ہے وہ خدا نہیں۔ اور جس کی مراد پوری ہوگی وہی خدا ہے۔

اس برہانِ تمانع سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے جیسا کہ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ : (لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا)۔[الأنبياء:٢٢]

یعنی اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا کوئی خدا ہوتے تو زمین و آسمان دونوں اپنے نظام سطوت نشان سے نکل جاتے۔

اسی طرح یہ آیت کریمہ : (قُل لَّوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ إِذًا لَابْتَغَوْا إِلَى الْعَرْشِ سَبِيْلاً) - [الإسراء:٤٢].

یعنی آپ فرمادیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبودانِ باطلہ ہوتے جیسا کہ کفار کہتے ہیں تو اس وقت بخدا وہ عرش کی طرف راہ چاہتے۔

چوتھی دلیل: یہ ہے کہ اگر ہم دو خالق خدا فرض کرتے، تو اُن میں سے ہر ایک اپنی مخلوق کیساتھ دُوسرے سے جدا ہوتا، اور اُن میں سے ایک کی مخلوق دوسرے کی مخلوق سے الگ ہوتی، لیکن ہمارا مشاہدِہِ صادقہ تو یہ ہے کہ تمام مخلوقات ایک دوسرے سے مضبوط نظام کیساتھ مربوط ہیں، تو معلوم ہوا کہ اُن سب مخلوقات کا خالق اللہ تعالی ہی ہے۔

مخلوقات کے اِس ارتباطِ عادی کی توضیح یہ ہے کہ دنیا میں انسان اور چوپائے اپنی غذا زمین سے نکلنے والی سبزیوں سے حاصل کررہے ہیں، اور سبزیاں بارش سے مستفید ہورہی ہیں، اور بارش ہواوں کے زور پر چلنے والے بادلوں سے برس رہی ہیں، اور گہرے بادل سمندروں اور دریاوں پر پڑھنے والی سورج کی تپش سے متولد (بذریعہ بخارات پیدا) ہورہے ہیں، اور سورج وچاند باوجود قوی الجسم ہونے کے اپنی مخصوص ڈگر پر چل رہے ہیں۔ اور اِن میں بھی انسانوں کے کئیں فوائد مضمر وپوشیدہ ہیں جیسے لذیذ وعمدہ پھلوں کا پکنا، دن ورات کا بدلنا، سردی، گرمی، خزاں، بہار چاروں موسموں کا وارد ہونا، پھر سورج اور چاند کی حرکات سے سالوں اور مہینوں کی تعیین وغیرہا امور کونیہ اس نظام محکم نشان میں ہر عقل وخرد رکھنے والا انسان ملاحظہ کررہا ہے۔

اور شک نہیں کہ یہ مخصوص ترتیب ہمیشہ خاص کرنے والے کا تقاضا کرتی ہے جس نے اسے اس ترتیب پر رکھا ورنہ تمام ترتیبات تو متساوی ہیں تو اگر کہیے کہ از خود ہی تخصیص ہوگئی تو غلط ہے؛ کیونکہ تخصیص بلا مخصص باطل ہے (بغیر کسی تخصیص کے ازخود شی کا کسی صفت کیساتھ خاص ہوجانا)، تو لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ مخلوقات اور اس کی تمام ترتیبات ذاتِ واجب الوجود سے مسخَر ہیں جو سب سے بلند وبالا ہے۔

اگر ہم دنیاوی نظام میں بھی غور کرلیں تو معلوم ہوتا ہے کہ طبعی عادت بھی اسی پر جاری ہے کہ جب ملک میں کوئی بادشاہ موجود ہوا اور دوسرا کوئی شخص اس کے مقابلے میں کھڑا ہوجائے اور بادشاہ ہونے کا دعوی کرے تو بادشاہ اسے ہرگز اپنی سلطنت میں برداشت نہیں کرے گا بلکہ اس مدعِی لایعقل کو شہر بدر کردے گا یا قتل کروادے گا۔ یہ تو ایک چھوٹے شہر کا

حال ہے پھر دنیا کا بادشاہ واجب الوجود کیونکر مدعی الوہیت ممکن الوجود کو اپنی سلطنتِ جلالت نشان میں باقی رکھے گا' اور ایساہی ہوا کہ ماضی میں جس جس نے دعویٰ اُلوہیت کیا وہ خائب و خاسر ہوا' برباد ہو گیا۔

جیساکہ سورہ مومنون شریف کی آیت کریمہ: (مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلٰهٍ ۚ إِذاً لَذَهَبَ كُلُّ إِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) ۔[المومنون:۹۱] سے یہ مضمون بھی مستفاد ہوتا ہے جو اُوپر عرض کیا گیا۔

نصاریٰ (کریسچنز) کے نظریہ تثلیث کا ردِ بلیغ

گذشتہ صفحات میں آپ نے جان لیا کہ کوئی ممکن خواہ عرف وعادت میں اس کا وجود کیسا ہی بعید سمجھا جاتا ہو، وہ مقدور باری تعالی ہوتا ہے۔ بعض نادان اَذہان محالِ عادی کو محالِ عقلی سمجھ بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے کثیر نظریاتِ اسلامیہ کا اِنکار ان کے ذہنوں میں سبقت کرتا ہے، جس کا بنیادی سبب علومِ عقلیہ سے ناواقفیت، یا جہالت یا ادراک کی غفلت ہوتی ہے۔

محال عادی اور محال عقلی میں فرق:

یہ بات تو آپ کو معلوم ہے کہ محالات کو خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا۔ محال کا مفہوم ذہن میں ہوتا ہے کہ وہ مفہوم جس کے مصداق کا وجود محال اور عدم ضروری ہو۔ تو معلوم ہوا کہ مفہوم محال اگرچہ ذہن (وجود ذھنی) میں ہے لیکن مصداق محال کا وجود نہیں ہے بلکہ وہ ممتنع ہے۔ بعض اوقات انسان کو معنی عدم کے اشتراک کی وجہ سے محال عادی اور محال عقلی میں دھوکا لگ جاتا ہے وہ محال عادی کو کبھی محال عقلی کہہ دیتے ہیں اور کبھی محال عقلی کو محال عادی الغرض دونوں کو ایک سمجھتے ہیں لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ ایک شیطانی دغدغہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا؛ کیونکہ ان کے درمیان بہت فرق ہے وہ یہ ہے کہ اگر محال عادی کو خارج میں موجود فرض کیا جائے تو اس کے فرض کئے جانے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی. برخلاف محالِ عقلی کہ اگر اُسے خارج میں موجود فرض کیا جائے تو ایک مزید محال لازم آئے جیسے آپ روز ملاحظہ فرماتے ہیں کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے لیکن اگر سورج مغرب سے طلوع ہو تو اس سے سورج کی ذات میں کوئی فرق نہیں آتا، اسی طرح اگر کوئی بھنی ہوئی مچھلی سے آپ کی مہمان نوازی کرے اور وہ مچھلی بولنے لگے تو اس سے مچھلی کی ذات میں کوئی فرق نہیں آتا؛ کیونکہ یہ محالِ عادی ہے اور محال عادی کے تحقق سے شی باقی رہتی ہے یا یوں کہیے کہ کوئی دوسرا محال لازم نہیں آتا ہے۔ برخلاف ایک مربع جسے آپ نے مثلث فرض کیا تو اس سے ذات مربع میں ضرور فرق آتا ہے؛ کیونکہ مثلث اور مربع اس حیثیت سے کہ وہ مربع و مثلث ہیں

دونوں حقائق متبائنہ سے ہیں جن میں ایک کو فرض کرنے سے دوسرے کی حقیقت باقی نہیں رہتی ‘اسی طرح صدق اور کذب کہ آپ جب صدق کو کذب فرض کرینگے تو صدق کی حقیقت باقی نہیں رہتی اور کذب کو صدق فرض کیا جائے تو حقیقتِ کذب باقی نہیں رہتی ۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا محال عادی ہے نہ کہ محال عقلی ؛کیونکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا عقلا ممکن بلکہ واقع ہے جیساکہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کا ورود بغیر باپ کے ہوا‘ تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر بغیر باپ کے متولد ہوں تواس میں کیا محال بات ہے؟۔

اہلِ شک سے سُوال ہے کہ بغیر باپ کے پیدا ہونا عقلا محال ہے یا عادۃ ؟ اگر کہیے کہ عقلا محال ہے تو یہ بدیہی البطلان ہے؛ کیونکہ بلا باپ کے کسی کو پیدا کرنا عقلا محلا ہوتا تو باری تعالی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے پر قادر نہ ہوتا؛ کیونکہ مستحیلاتِ عَقلیہ تحتِ قُدرت نہیں ہوتے ؛کیونکہ علت مقدُوریت اِمکان ہے اور مستحیلات میں اِمکان کہاں کہ مقدور ہوجائیں اور جب وہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے پیدا کرنے پر قادر نہ ہوتا انسان نہ ہوتے تو نہ اہل شک ہوتے نہ ہی ان کا مذہب !۔

یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ قدرت کے تحت نہ ہوئے تو قدرت ناقص ہوگئی کہ مستحیل سے متعلق نہ ہوئی بلکہ نقصان اس محال میں ہے کہ صلاحیت امکان ہی نہیں رکھتا یعنی نقصان قابل میں ہے فاعل میں نہیں۔اسے یوں سمجھو کہ زمین پر بارش برسی تو بعض حصے زمین کے سرسبز ہوئے اور بعض پتھریلی ہونے کی وجہ سے سخت و خاردار ہی رہی تو اب یہ نہیں کہا جائیگا کہ بارش ناقص ہے کہ سبزہ نہ اُگیا بلکہ نقص تو زمین میں ہے بارش کو جذب کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی حتی سرسبز ہوجاتی۔

لہٰذا نقصان قدرتِ رحمٰن میں نہیں بلکہ مستحیل میں ہے اوراِس کا نقصان اِس درجہ غایت تک بالغ ہے کہ اُس کی رؤیت بھی ممتنع ہے؛کیونکہ رؤیت کی علت وہ ہے جو وجود سے متعلق ہوسکے كَمَا حقَّقه الإمامُ التَّفتازانيُّ في "شَرْحِ الْعَقَائِدِ" و"شَرْحِ الْمَقَاصِدِ". امامِ زاہد صفار قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں : کہ آئمہ سمرقند وبخارا نے طویل مناظرات کے بعد بالاتفاق یہی فتویٰ دیا کہ معدوم مُسْتَحِيْلُ الرُّؤْيَةِ ہےاس کی تحقیق کیلئے فتاویٰ رضویہ اور شرح المواقف کی مبحث رؤیت باری تعالی دیکھو۔

بہرکیف فتویٰ سے قطع نظر یہ قول عقلا بھی مبرہن ہے؛کیونکہ رؤیت کا تحقق عالمِ طبعیات میں خروج شُعاع یا اتصالِ الامتداد یا خطِ موہُوم کے اِنطباق سے ہوتا ہے جو کہ وجود کی فرع ہیں لہٰذا یہ سبقِ ثبت لہ کے تحقق کو مستلزم ہے۔

جب یہ باتیں سمجھ آگئیں ہیں تو سمجھیں کہ حضرتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور پیدا ہونے کے بعد جھولے میں ہی اپنی والدہ ماجدہ سیدتنا مریم صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی طہارت بیان کی اوراپنی رسالت کا اِعلان فرمایا۔ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتِ پاک سے کثیر معجزات کا صُدور ہوا جو آپ علیہ السلام کے دعوی نبوت کی صداقت کی دلیل ہوئے جیسے آپ کا پیدا ہوتے ہی کلام فرمانا' مردے کو زندہ کرنا' مٹی کے پرندوں کا جسم تیار کرکے اس میں پُھونکنا جس سے اُن کا زندہ ہوکر اُڑنا' مادرزاد اندھوں کو انکھیارا کردینا' وغیرہا۔

اللہ تعالی نے قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر خطاب فرماکر اِنہیں دینِ برحق اِسلام کی طرف بلایا ہے جیسے فرمایا: (يَآهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَاتَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ إِلَّا الْحَقِّ ؕ إِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ ؕ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ)-[النساء:١٧١].

یعنی اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو! اور اللہ تعالی کے حق میں صرف سچ کہو! عیسی ابن مریم صرف اللہ کے رسول اور اُس کے کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی طرف القاء کیا۔

اللہ تعالی نے فرمایا: (لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ أَنْ يَكُوْنَ عَبْداً للهِ ، وَلَا الْمَلائِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ) یعنی عیسیٰ علیہ السلام خدا کی بندگی سے عار نہیں کرینگے اور نہ ہی مقرب فرشتے اس کی بندگی سے عار کرتے ہیں۔

اور اسی طرح زمانہ نبوی ﷺ میں جب حضور ﷺ نے انہیں (عیسائیوں کو) مباہلہ کیلئے بلایا تو وہ نہ آئے؛ کیونکہ اُنہیں معلوم تھا کہ اِن کا موجودہ دین محرف (یعنی تحریف شدہ) ہے؛ کیونکہ اِنہیں خوف تھا کہ اگر وہ بغرضِ مباہلہ حضور ﷺ کے روبرو آئے تو اُن پر عذاب آئے گا اسی لئے ان میں سے بعض حضرات تو اسلام لے آئے جیسے حضرت نجاشی، سیدنا تمیم داری وغیرہ رضوان اللہ تعالی علیہم اور باقی اپنی نصرانیت پر اڑے رہے۔

نصاریٰ کی کتب کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب نصاری کا یہ اعتقاد نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن الہی ہیں بلکہ ان کی آراء اس میں مضطرب ہیں؛ کیونکہ بعض بولے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں (البقرہ: 116)۔ بعض نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی اللہ ہیں (المائدہ: 17)۔ اور بعض نے کہا: کہ خدا ایک نہیں بلکہ تین ہیں (المائدہ: 73)۔

اس مذہبی اِضطراب کی حقیقت، حقیقت سے ناواقفی تھی اور ان کا حال یہ تھا کہ بعض خوابوں سے اِستدلال کرتے، بعض خوارق سے، تو بعض اپنی طبعی کیفیات سے۔ اور شک نہیں کہ یہ سب اشیاء موجبِ یقین نہیں اور عقائد کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے اسی حماقت کی وجہ سے اللہ تعالی نے انہیں (ضالین) کے لقب سے ملقب فرمایا۔ دین اسلام کی سب سے بڑی

خصوصیات میں سے یہ خصوصیت سر فہرست ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو یقین پر دیکھنا چاہتا ہے جیسا کہ باری تعالی ارشاد فرمایا: (قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ) – [البقرة: ١١١].

یعنی اے محبوب ﷺ آپ کافروں سے کہہ دیں: کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنی برہان لے آو!۔

اہل فہم پر روشن ہے کہ برہان اس دلیل کو کہتے ہیں جو یقینی اور مضبوط باتوں پر مشتمل ہو۔

(يَا أَيُّـهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ) – [النساء:١٧٤]

یعنی اے لوگوں تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے برہان آچکی ہے۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْداً فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ) – [القصص:٧٥].

یعنی ہم ہر امت سے ایک گواہ نکالیں گے تو (انہیں) فرمائیں گے لاو اپنی دلیل!۔

نصاریٰ کا عقیدہِ ولدیت کا رد

عقیدہ ولدیت سے مراد نصاریٰ کا وہ عقیدہ ہے جسے انہوں نے انجیلِ محرفہ میں بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہیں، بلکہ وہ تین ہے بایں طور کہ اللہ عزوجل نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شادی کی تو وہ اس کی بیوی ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام متولد ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہوئے۔

اس عقیدہ فاسدہ کے رد پر اہلِ اسلام نے کئیں دلائل عقلیہ ونقلیہ دیے ہیں جسے کتب علم الکلام میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ ہم یہاں صرف بمقتضائے (مَا لَایُدْرَكُ كُلُّهٗ لَایُتْـرَكُ كُلُّهٗ) چار دلائل ذکر کرتے ہیں:

(1): پہلی دلیل یہ ہے کہ بغیر ماں و باپ کے کسی کو پیدا کرنا عقلا محال نہیں؛ کیونکہ اُس کا وقوع سیدنا ابوالبشر آدم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی صورت میں ثابت ہے؛ کیونکہ وہ بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے، تو جب یہ بغیر ماں باپ کے تولد ممکن بلکہ واقع ہے تو یہ محال نہ ہوا، اور جب یہ محال نہ ہوا تو ممکن ہوا؛ کیونکہ واجب نہ ہونا واضح ہے ورنہ وہ صاحب اختیار ہی نہ رہے گا۔ لہٰذا حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہونا مقدورِ الٰہی ہوا۔ اور ہر مقدور ممکن ہے اور کوئی مقدور واجب نہیں تو کوئی ممکن واجب نہیں، اور جب واجب نہ ہوا تو خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ نصاریٰ کے دھوکے اور مکائد کا پردہ تو یوحنا ۸/ ۴۰ چاک ہو جاتا ہے۔

نصاریٰ کی جہالت یہاں سے بھی ملاحظہ فرمائیں کہ کتابِ مقدس یوحنا ۸/ ۴۰ میں ہے : (وَلٰكِنَّكُمُ الآنَ تَطْلُبُونَ أَنْ تَقْتُلُونِي، وَأَنَا إِنْسَانٌ قَدْ كَلَّمَكُمْ بِالْحَقِّ الَّذِي سَمِعَهُ مِنَ اللهِ. هٰذَا لَمْ يَعْمَلْهُ إِبْرَاهِيمُ. ٤١ أَنْتُمْ تَعْمَلُونَ أَعْمَالَ أَبِيكُمْ». فَقَالُوا لَهُ: «إِنَّنَا لَمْ نُولَدْ مِنْ زِنًا. لَنَا أَبٌ وَاحِدٌ وَهُوَ اللهُ». ٤٢ فَقَالَ لَهُمْ يَسُوعُ: «لَوْ كَانَ اللهُ أَبَاكُمْ لَكُنْتُمْ تُحِبُّونَنِي، لأَنِّي خَرَجْتُ مِنْ قِبَلِ اللهِ وَأَتَيْتُ. لأَنِّي لَمْ آتِ مِنْ نَفْسِي، بَلْ ذَاكَ أَرْسَلَنِي. (یوحنا ۸ : ۴۰-۴۲)

یعنی (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) : لیکن اب تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو' حالانکہ میں ایک ایسا انسان ہوں جس نے تم سے سچ کیساتھ ایسا کلام کیا جسے اُس نے اللہ تعالی سے سنا ہے' یہ وہ بات ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو معلوم نہ تھی۔ تم اپنے آباء وآجداد کے کاموں سے واقف ہو۔ تو نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام سے بولے : کہ ہم زنا سے پیدا نہیں ہیں۔ ہمارا ایک باپ ہے اور وہ اللہ ہے۔

تو مسیح علیہ السلام نے اُن سے فرمایا : کہ اگر اللہ تمہارا باپ ہوتا تو بخدا تم مجھ سے خوش ہوتے کہ میں اللہ کی طرف سے آیا ہوں اور میں از خود تمہارے پاس نہیں آیا بلکہ اللہ تعالی نے مجھے بھیجا ہے۔

(2) : **دوسری دلیل** : تمام اہلِ عقل مشائیہ ہوں یا اشراقیہ سب کا اس مقدمہ بدیہیہ پر اتفاق ہے کہ اَولاد کا والد کی جنس سے ہونا ضروری ہے اور بیوی کا اپنے شوہر کی جنس سے ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کی اولاد جنس انسانیت سے اور حیوانات و بہائم کی اولاد از قبیل بہائم سے ہی ہوتی ہے۔ایسا نہیں ہوتا کہ انسان کی اولاد جانور ہو اور جانور کی اولاد انسان ہو۔

تو اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہوتے تو ضرور جنسِ واجب سے ہوتے تو یوں معنی وجوب دونوں ماہیات میں مشترک ہوتا اور جہاں ما بہ الاشتراک ہو وہاں ما بہ الامتیاز کا ہونا ضروری ہے جو اسے دوسری ماہیت سے ممتاز کرے تو اگر اس کے لئے ما بہ الامتیاز مانا جائے تو وہ جنس و فصل سے مرکب ہوگا اور ذات واجب کا جنس و فصل سے مرکب ہونا باطل محض ہے؛ کیونکہ مرکب اپنے تحقق میں اَجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور اَجزاء اُس کے غیر ہیں۔تو مرکب محتاج ہوا غیر کی طرف' اور اہل عقل و خرد کا اس پر اجماع ہے جو کہ غیر کی طرف محتاج ہو وہ ممکن الوجود ہوتا ہے۔

(3) : **تیسری دلیل** : اس عقیدہ ولدیت کے اِبطال پر دلیل یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اگر خدا کے بیٹے ہوتے تو باری عزوجل اُن کا باپ ہوتا لیکن اس (خدا) کا باپ ہونا تو باطل ہے لہٰذا بیٹا ہونا بھی باطل ٹھہرا۔وجہ ملازمہ یہ ہے کہ اولاد کی تحصیل بغیر بیوی کے نہیں ہوتی لہٰذا وہ تحصیلِ ولد کیلئے بیوی کا محتاج ہوا اور شک نہیں کہ بیوی اُس کا غیر ہے تو محتاج الی الغیر ہوا۔اور احتیاج الی الغیر امکانِ واجب کو مستلزم ہے اور امکانِ واجب ممتنع بالذات ہے۔

(4) : **چوتھی دلیل** : اللہ تعالی کے علاوہ جو ہے وہ اُس کا غیر ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی صانع ہے اور وہ سب موجودات اس کے مصنوع ہیں اور مصنوع اور صانع میں اتحاد بداہتِ عقلیہ سے باطل ہے۔

(کیا عقیدہ وحدۃ الوجود' نصاریٰ کے عقیدہ حلول کی اصل ہے؟)

یہاں یہ نہ کہا جائے کہ اسلامی فرقوں میں مذہبِ صوفیاء اتحاد ممکنات کی طرف گئے ہیں جسے وہ "وحدۃ الوجود" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس مذہب کی تقدیر پر ہی وحدتِ ادیان اور عقیدہ حلول کا نظریہ متفرع ہوتا ہے یعنی یہودیت' نصرانیت' اسلامیت' ھندومت وغیرہا فرق باطلہ سب ایک ہیں؛ کیونکہ جب تمام موجودات ایک ہی ذات ہیں تو ان میں امتیاز بھی نہ ہوگا؛ کیونکہ امتیاز اثنینیت کی فرع ہے اور اتحاد اثنینیت کے منافی ہے۔

اس شیطانی خیال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے صوفیائے کرام قدست اسرارہم وحدت کی طرف گئے ہیں نہ کہ اتحاد کی طرف حتی کہ وحدتِ ادیان یا عقیدہ حلول کی صحت متفرع ہو؛ کیونکہ اتحاد کہتے ہیں کہ دو حقیقتیں مل اس طرح ایک ہوجائیں کہ ان میں امتیاز باقی نہ رہے حتی کہ جب ایک کی طرف اشارہ ہوجائے تو دوسرے کی طرف بھی ہوجائے یہی معنی حلول کے ہیں جبکہ وحدت یہ کہ وجود ایک ہی ہے اور جو کثرت ہم ملاحظہ کررہے ہیں وہ اسی واحد کے جلوے ہیں تو یہاں وجود ایک ہوا اور یہی وہ کہتے ہیں یعنی وحدت الوجود۔ وہ یہ نہیں کہتے وحدت الموجود!

یعنی انہوں نے جہاں یہ فرمایا کہ "(وَيَتَّحِدُ الْكُلُّ فِي حَدِّ ذَاتِه) یعنی سب اپنی حدذات میں ایک ہیں" یعنی کل ممکنات کا مصدر ایک ہی ہے اور شک نہیں مصدورات کی کثرت مصدر کی کثرت کو ہرگز لازم نہیں ہے اور اسی طرف "الفصوص" میں شیخ ابو نصر فارابی کی عبارت اشارہ کرتی ہے: (عِلْمُهُ بِالْكُلِّ بَعْدَ ذَاتِه، وَعِلْمُهُ بِذَاتِهِ نَفْسُ ذَاتِه، وَكَثْرَةٌ بَعْدَ ذَاتِه، وَيَتَّحِدُ الْكُلُّ بِالنِّسْبَةِ إِلَى ذَاتِهِ، فَهُوَ الْكُلُّ فِي حَدِّ ذَاتِهِ)۔

اسے مثال سے یوں سمجھو کہ ایک کمرے میں پانچ بڑے بڑے آئینے نصب کیے گئے اور زید اُس کمرے میں داخل ہوا تو اب ہمیں پانچ زید نظر آئینگے حالانکہ حقیقت میں ذاتِ زید واحد ہے' اور یہاں یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ زید اور آئینہ میں حلول ہو گیا ہے۔

یا اس کو یوں سمجھیں کہ ایک تاریک کمرے میں سورج کے مقابل ایک آئینہ نصب کیا جائے پھر اس آئینہ سے نکلنے والی شعاع کے محاذی ایک دوسرا آئینہ رکھا جائے اسی طرح مختلف آئینے لگادیئے جائیں تو اس طرح پورا کمرا اس ایک شعاع سے روشن ہو جائے گا۔ اب یہ بتائیں کہ سورج آئینہ میں حلول کر گیا ہے ؟ یا آئینہ عین سورج ہو گیا ہے ؟ یا سورج اس کا جزء بن گیا ہے ؟ اور شک نہیں کہ یہ سب باتیں یہاں منتفی ہیں۔

اسے آپ یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ اعداد جیسے دو' تین' چار وغیرہا کی حقیقتیں وحدات ہیں یعنی ہر عدد کی اصل وحدت محضہ ہے جسے ہیئت اجتماعیہ عارض ہے كما حقَّقَه أَرَسْطُوْ، اور اس ھیئت کو جزء صوری سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے كما في شرح المواقف -

اب سوال یہ ہے کہ ثلاثہ یہ عین وحدت ہے یا وحدت عین ثلاثہ ہے ؟ اور آپ جانتے ہیں کہ عینیت کا قول کرنا یا مطلق عدد کی وحدت کیساتھ عینیت کا اثبات غلط محض ہے لہٰذا نصاریٰ کا عقیدہ یوحنا کی نقل کے مخالف ہونے کے ساتھ ساتھ عقل کے بھی خلاف ہے .

(حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی عُبودیت کا ثُبوت)

کتابِ مقدس یوحنا 40/8 وغیرہا سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں بلکہ خدا کے عابد تھے اور خدا اُن کا معبود، لیکن اُن کی عبودیت پر علمائے اسلام نے تبرعا واحسانا دلائل بھی ذکر فرمائے ہیں :

پہلی دلیل : کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے لہٰذا حضرت عیسیٰ عابد ہوئے اور باری تعالیٰ معبود۔اور شک نہیں کہ عابد اور معبود کا اتحاد باطل کما لایخفیٰ علی العاقل۔

دوسری دلیل : کہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کھانا، پینا، سونا وغیرہا اُمور بشریہ سے متصف تھے اور خدا تعالیٰ اُن امور سے متصف نہیں ہے؛ کیونکہ امور بشریہ وجود ممکن کو لازم ہیں اور باری تعالیٰ تو وجود واجب ہے۔

تیسری دلیل : عیسائیوں نے کہا کہ : حضرتِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوگئے ہیں یعنی ان کو سُولی پر لٹکا دیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ انتقال فرماگئے ہیں۔تو اے نصاریٰ! اگر تمہارے بقول وہ سولی دے کر شہید کردیے گئے ہیں تو وہ خدا نہ ہوئے کہ خدا قدیم ہے اور موت وصف عدمی ہے جس کے کیساتھ قائم ہوتی ہے اسے معدوم کردیتی ہے عقلا ثابت ہے کہ جس کا قدیم ہونا ثابت ہوجائے اس کا عدم ممتنع ہے۔اور جس کا قدم ممتنع ہو اس کو موت آنا ممتنع ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں۔

چوتھی دلیل : حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بچپن سے رفتہ رفتہ بڑے ہوئے یعنی اُن کے وجودِ مسعود میں حرکت فی الکم متحقق ہوئی اور حرکت وسکون علامات حدوث سے ہے تو اگر وہ خدا ہوتے تو اس حرکت فی الکم سے منزہ ہوتے؛ کیونکہ خدا واجب الوجود ہی ہوتا ہے اور واجب الوجود کیساتھ صفاتِ حدوث کا اتصاف ممنوع ہے۔

(عقیدہ تثلیث کا رد)

نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی خدا ہے اور حضرتِ بتول مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی معاذاللہ خدا ہیں' اور انکے صاحبزادے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا ہیں۔ اُن کا یہ عقیدہ فاسدہ بھی بوجوہ باطل ہے :

اولا : اس لئے کہ دلائلِ توحید اور براہینِ تمانع سے وحدانیت درجہ یقین حاصل کرچکی ہے جیساکہ ان کو سمجھنے والوں پر مخفی نہیں۔

ثانیا : اس لئے کہ سیدنا عیسیٰ اور سیدتنا مریم علیہما السلام' اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور نماز ادا کرتے اور روزہ رکھتے تھے' تو اگر وہ دونوں خدا ہوتے تو غیر کی عبادت نہ کرتے حالانکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام خود اِقرار کررہے ہے کہ اُن کا رب اور بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے جیساکہ قرآن مجید کی سورہ مائدہ کی آیت 72 سے اور انجیل کتاب مقدس یوحنا کی تصریح سابق سے ثابت ہوچکا ہے۔

ثالثا : اس لئے کہ حضرات سیدنا عیسیٰ و مریم علیہما السلام پر امور بشریہ طاری ہوتے تھے برخلاف واجب الوجود کہ اس پر امور بشریہ کا جریان عیب و نقص ہے۔

(ہندوؤں اور دیگر بت پرستاں کا رد)

ان کے دینِ ناحق کے بیان بطلان پر علمائے اسلام اہل کلام نے صدہا دلائل اپنے اَسفار وکتب میں ذکر فرمائے ہیں یہاں بغرض اختصار صرف چار دلائل ذکر کئے جاتے ہیں:

پہلی دلیل: جن بتوں کو یہ قوم پوجتی ہے وہ حادث ہیں؛ کیونکہ وہ بت اُن کے اپنے ہاتھوں سے تیار کردہ ہیں اور جو حادث ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے بت پرستوں کو ڈانٹا، اور آپ کی یہ بلیغ توبیخ قرآن مجید میں بایں الفاظ حکایت کی ہے چنانچہ باری تعالی نے فرمایا: (قَالَ: أَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ) - [الصافات:٩٥]

یعنی: سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کہا: کہ تم لوگ ان بتوں کی عبادت کرتے ہو جسے تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو؟!۔

اور اس سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواہر واَعراض کے حدوث پر استدلال گزر چکا ہے لہٰذا اسے بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔

دوسری دلیل: اَصنام (بت) صفاتِ ربانیہ جیسے قدم، ازلیت، ابدیت وغیرہا سے متصف نہیں ہو سکتے؛ کیونکہ وہ مادہ سے مرکب ہیں اور مرکب ہونا محتاج ہونے کی دلیل ہے کما مر مرارا اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے چچا کو کہا تھا: (یا أبتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لاَ یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَایُغْنِيْ عَنْكَ شَیْئاً)- [مریم:٤٢] یعنی اے میرے چچا! تم اِن چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سن سکیں، نہ دیکھ سکیں، تم سے کسی سے مستغنی کر سکیں۔

اور یہی وہ وجہ ہے کہ جب مشرکین نے اپنے معبودانِ عاطلہ سے نبی رحمت و شفقت ﷺ کو اپنے زعم میں خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تو اللہ جل مجدہ نے اُن معبودانِ باطلہ کے عجز کو ظاہر کرنے کیلئے اپنے حبیبِ اکرم نورِ مجسم ﷺ کو فرمایا: (قُلْ أَفَرَئَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِي بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ) – [الزمر:۳۷].

یعنی اے حبیب ﷺ ! آپ فرمادو: تم جنہیں خدا کے مقابل سمجھتے ہو کیا وہ مجھ سے تکلیف کو دور کر سکتے ہیں، اگر اللہ مجھ سے کسی نقصان کا ارادہ فرمائے؟ یا اگر وہ مجھ پر رحمت فرمانا چاہے تو کیا وہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں؟

تیسری دلیل: یہ ہے کہ معبودانِ تراشیدہ پر فناء و ذلت طاری ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا کہ آپ علیہ السلام نے تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا؛ تاکہ قومِ معاند پر اپنی حقیت کی برہان قائم ہوجائے اور وہ ہوئی، اور کیسے نہ ہوتی کہ اللہ اپنے نور کو پورا فرماتا ہے اگر مجرموں کو برا لگے۔

صحیح مسلم شریف کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ میں ہے کہ جب مکہ معظّمہ فتح ہوا اور رسولِ اکرم ماحی الفتن ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ معظّمہ کے گرد پیتل کی زنجیر سے بت باندھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ بتوں کی طرف اپنی تلوارِ شاندار جو کہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں تھی، اشارہ فرماتے ہوئے فرمانے لگے: (جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ، إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً) یعنی حق آیا باطل مٹ گیا، بلاشبہ باطل کو مٹنا ہی ہے۔ حضور ﷺ اور جس کے منہ کی طرف اشارہ فرماتے وہ گدی کے بل گرجاتا جس بت کی گدی کی اشارہ فرماتے تو وہ منہ کے بل گرجاتا، یہاں تک کہ تمام بت گرگئے۔

اب دیکھیں جو اپنے دفاع کی طاقت نہیں رکھتے وہ دوسرے کو کیا بچائیں گے۔ اسی لئے عافیت صرف دین اسلام کو قبول کرنے میں ہے وگرنہ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ۔

چوتھی دلیل یہ ہے دلائل توحید ہیں جن کا مفصلا ذکر گذشتہ صفحات میں ہوگیا۔

عقیدہ مجوس کا رد

کتب مجوس کے مطالعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان کے عقائد متحد نہیں ہیں بلکہ ان بھی دیگر فرقہائے باطلہ کی طرح اختلاف شدید پایا جاتا ہے۔ان فرقوں کا بیان تو " اَلْـمِلَلُ وَ النِّحَلُ لِعَبْدِ الْكَرِيْمِ الشَّهْرَسْتَانِيِّ اور "اِعْتِقَادَاتُ فِرَقِ الْـمُسْلِمِيْنَ وَ الْـمُشْرِكِيْـنَ " لِلْإِمَامِ الرَّازِيِّ میں ملاحظہ فرمائیں' یہاں مختصرا ان کے بنیادی فرقوں کا ذکر کیا جاتا ہے کہ دینِ مجوس میں بنیادی طور پر چار فرقے ہیں :

(1) : رزادشتیہ

(2) :ثنویہ۔ یہ چارفرقوں میں منقسم ہے : (1) : مانویہ۔ (2) : دیصانیہ۔ (3) : مرقونیہ یا مرتونیہ ۔

(4) :مزدکیہ۔

(3) : صبائیہ۔

(4) : فلاسفہ۔

تمام مجوسی اِس قدر پر تو متفق ہیں کہ اللہ تعالی نے شیطان سے ہزاروں سال تک جنگ کی' جب معاملہ بڑھ گیا تو فرشتے اللہ تعالی اور شیطان کے درمیان حائل ہوگئے۔اِس سے قبل اللہ نے سات ہزار سال تک عالم کو شیطان کے سپرد کردیا تھا اور وہ عالم میں جو چاہتا' کرتا تھا پھر اللہ تعالی نے اُسے قتل کا اِرادہ فرمایا تو فرشتوں نے اللہ تعالی سے اور شیطان سے تلوار لے لی اور اُن دونوں کے درمیان معاہدہ کیا کہ جو اس عہد کا خلاف کرے گا وہ اپنی تلوار سے ہی قتل ہوگا۔ عقلاء جانتے ہیں کہ اس ہذیان کی حقیقت کچھ نہیں لیکن یہ یہود کا متفقہ عقیدہ ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ " النُّوْرُ الْـمُبِیْنُ للغرناطي " میں بیان کردہ عقیدہ نور و ظلمت تمام مجوسیوں کا عقیدہ نہیں بلکہ فرقہ ثنویہ کے فرقہ مانویہ و فرقہ دیصانیہ اور فرقہ مرتونیہ کا ہے ' جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کے دو خالق ہیں : خالقِ خیر ' اور خالقِ شر ' اول کو "یزدان" اور ثانی کو "اہرمن" کہتے ہیں کما في الملل و النحل ۔

اس عقیدہ فاسدہ پر صدہا لوازمِ ممتنعہ متفرع ہوتے ہیں لیکن یہاں دو پر اختصار کیا جاتا ہے کہ طالبِ حقیقت کو صداقت کا ایک حرف کافی ہوتا ہے نہ تکثیر الفاظ۔

پہلی وجہ : یہ ہے کہ دلائلِ توحید سے ثابت ہو چکا ہے کہ واجبُ الوجود کا مصداق اثنینت یعنی دوئی کو قبول نہیں کرتا۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ سورج' چاند ' ستارے ' نور اور ظلمت میں حدوث و اِمکان کے مظاہر اہل عقل و خِرَد پر مخفی نہیں ہیں جیساکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا صفتِ اُفول سے حدوثِ شمس و قمر پر اِستدلال فرمانا معہود و معلوم ہو چکا ہے جس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ حادث الہ نہیں ہو سکتا اور نہ حوادث کا فاعل۔

اللہ تعالی نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا : (اَلْـحَمْدُ للّٰـهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ) [الأنعام:١]. یعنی تمام تعریفیں اللہ تعالی کیلئے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور اندھیرے اور نور بنائے پھر ان لوگوں کو جو اپنے رب کیساتھ برابری کرتے ہوئے کفر کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے: (لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ)[فصلت:37]

یعنی : سورج کو سجدہ کرو اور نہ ہی چاند کو. اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے سورج و چاند وغیرہا کو پیدا فرمایا' اگر تم اُس کی عبادت کرتے ہو۔

بایں ہمہ اہل مجوس کا نظریہ مذکورہ صرف کھوکھلا دعوی ہے جس کی کوئی دلیل نہیں؛ کیونکہ باطل کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

اہلِ طبائع اور اہلِ علت کا رد

اہلِ طبائع کا موقف : اہلِ طبیعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیاء خود بخود غیر میں موثر ہیں، اور اس تاثیر میں باری تعالی کا کوئی اختیار نہیں۔

اہلِ علت کا موقف : اہلِ علت کا عقیدہ یہ ہے کہ اشیاء غیر میں تاثیر کرنے کی خود علت ہیں اور اس تاثیر میں وہ باری تعالی کی محتاج نہیں ہیں یعنی تاثیر میں باری تعالی کا کوئی اختیار نہیں۔

اہلِ طبائع اور اہلِ علت کے مذاہب میں فرق :

یہ دونوں فرقے اِس بات میں تو مشترک ہیں کہ اختیار باری تعالی کیلئے ثابت نہیں لیکن وجہ افتراق اُن میں یہ ہے تاثیر بالطبع شرط کے پائے جانے اور مانعِ تاثیر کے نہ ہونے پر موقوف ہوتی ہے جیسے اِحراق اور آگ کہ اِحراق کا تحقق اُس وقت ہوگا جب شرط یعنی مماست (چھُ ہونا) پائی جائے گی اور مانع یعنی تری نہیں پائے جائے گی جو کہ اِحراق سے مانع ہے، برخلاف تاثیر بالعلت کے کہ وہ کسی شرط کے وُجود اور کسی مانع کے اِرتفاع پر موقوف نہیں، بلکہ جب جب علت پائی جائے گی تو معلول بھی پایا جائے گا جیسے انگوٹھی کی حرکت اور اُنگلی کی حرکت کہ انگوٹھی کی حرکت معلول ہے انگلی کی حرکت علت ہے، جب جب انگلی متحرک ہوگی تو انگوٹھی بھی متحرک ہوگی؛ کیونکہ علت کا معلول کیساتھ اقتران واجب ہے جبکہ طبیعت کا اقتران ذو طبیعہ کیساتھ واجب نہیں؛ کیونکہ ممکن ہے کہ اُن کے درمیان تخلف آ جائے۔

علمائے کرام کَثَّرَھُمُ اللہُ عزَّ وَجلَّ نے دونوں نظریات کے قائلین کی تکفیر فرمائی ہے؛ کیونکہ اِس نظریہ سے باری تعالی کے حق میں شرک اور عجز لازم آتا ہے جو کہ باطل ہے۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ فاعل تین اقسام پر ہوئے :

(1) : فاعل بالطبع۔

(2) : فاعل بالعلت۔

(3) : فاعل بالاختیار (یعنی جو چاہے فرمائے اور جسے چاہے ترک فرمادے)۔

اہل اِسلام صرف فاعل بالاختیار کا نظریہ رکھتے ہیں اور وہی عقلا و نقلا درست ہے۔

امام محمد بن احمد مالکی "النُّوْرُ الْـمُبِیْن " میں اہل طبائع کے نظریہ مذکورہ کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ خیال مبنی بر باطل ہے؛ کیونکہ موثر وہ ہے جو غیر میں وصفِ اِنفعال و تغییر پیدا کرے۔ تو اگر طبیعت اَشیاء کے وُجودات میں موثر ہوتی تو وہ ضرور حیات و قدرت و اِرادہ وغیرہا صفات موثر سے متصف ہوتی ہے' حالانکہ ایسا نہیں؛ کیونکہ طبیعت وہ قوت ہے جو بالذات ساکن ہو اور غیر کی حرکت کیلئے مبدء بنے۔ آپ جانتے ہیں جو شیء خود بالذات ساکن ہو وہ غیر میں موثر کیسے ہو سکتی ہے' نظر برآں کوئی فعل بھی اس کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔

دوسری وجہ : اشیاء کا اختلاف اِس پر دلالت کرتا ہے کہ طبائع موثر نہیں؛ کیونکہ اگر طبیعت ان اشیاء میں موثر ہوتی تو ان اشیاء سے ایک ہی نوع صادر ہوتی جیسے اللہ تعالی نے فرمایا : (أَلَـمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِه ثَمَرَاتٍ مُـخْتَلِفاً أَلْوَانُـهَا)۔

[فاطر : ٢٧].

"الفصل الثالث"

في إثبات صفات الله تعالى

اللہ تعالی کی صفات : قدرت، حیات، سمع، بصر، ارادہ، تکوین وغیرہا غیر متناہی ہیں اور اِن صفات کے ثبوت پر کئیں دلائل ہیں جو کہ اہلِ کلام و فلسفہ کی کتب میں ذکر کیئے گئے ہیں، اُن میں سے بعض دلائل کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

پہلی دلیل : یہ ہے کہ قدرت، ارادہ، علم، وغیرہا صفات اللہ تعالی کیلئے اگر ثابت نہ ہوں تو اُن کی اَضداد یعنی عجز، جہل، وغیرہا اس کے لئے ثابت ہونگی؛ کیونکہ ارتقاع نقیضین محال ہے، لہٰذا یا تو صفات ثابت ہونگی یا ان کی ضدین، لہٰذا صفات تو ثابت ہیں تو معلوم ہوا اَضداد اُس سے منتفی ہیں۔

اللہ تعالی نے فرمایا : (وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ) - [النحل:٦٢]

یعنی وہ کفار خدا تعالی کیلئے وہ صفات ٹھہراتے ہیں جس کا اتصاف وہ اپنی ذات کیساتھ وہ خود ناپسند کرتے ہیں۔ لہٰذا ہر وہ صفتِ نقصان جس کا اتصاف ایک عقلِ سلیم رکھنے والا اِنسان اپنے لئے ناپسند کرے گا اُس کا اِثبات اللہ کیلئے ممتنع ہے

دوسری دلیل : یہ ہے کہ یہ وہ صفات ہیں جن پر ایمان لانا واجب ہے؛ کیونکہ اِن کے بیان پر شرع وارد ہوئی ہے۔ جیسے صفتِ حیات کو اپنے لئے ثابت فرمایا : (وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ) - [الفرقان:٥٧].

یعنی اس ذات پر بھروسہ کرو جو فناء نہ ہو۔

صفتِ علم کو یوں ثابت فرمایا : (وَاللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٍ) - [الحجرات: ١٦] . یعنی اور اللہ ہر شیء کو جانتا ہے۔

صفتِ ارادہ کو یوں ثابت فرمایا : (إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيْدُ) - [البروج:١٦] بے شک تیرا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے۔

صفتِ قدرت کو ہوں ثابت فرمایا : (وَاللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) - [البقرة:٢٠] بے شک اللہ ہر ممکن پر قادر ہے۔

صفتِ کلام کو یوں ثابت فرمایا: (وَكَلَّمَ اللهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا)- [النساء:١٦٤]. اور اللہ نے حقیقت میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

صفت سمع وبصر کو یوں ثابت فرمایا: (إِنَّ اللهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ) – [لقمان:٢٨] بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے.

قرآن مجید نے اِس کے علاوہ کثیر مقامات پر صفاتِ باری تعالی کا ذکر فرمایا' مذکورہ آیات سے اُن کا ثبوت بایں طور پر مفہوم ہوا کہ اُن آیات میں ایک شئی کا دوسری شئی کیساتھ ثبوت کیا گیا ہے اور ایک شئ کا ثبوت دوسری کیلئے مثبت لہ کی فرع ہوتا ہے یعنی مثبت لہ پہلے موجود ہوتا ہے پھر اس پر حکم جاری ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: یہ ہے کہ ہر صفت کے وجود پر استدلالِ عقلی کیا جائے۔

کیونکہ اللہ تعالی کی تخلیق کردہ چیزیں جب ہم دیکھتے ہیں تو اُن میں اِحکام (مضبوطی) اور اِتقان (پختگی) واضح نظر آتی ہے جیسے سورج ہزاروں ٹن بھاری ہونے کے باوجود مشرق سے طلوع اور مغرب میں غروب ہو رہا ہے لیکن مجال ہے کہ وہ زمین کو چھو جائے اور اسے نقصان دے' یا کسی دن وہ طلوع ہی نہ ہو' یا کسی دن وہ دیر سے طلوع یا غروب ہو' اسی طرح دیگر سیارے ہوائیں' دریاوں' پہاڑوں' خوبصورت جھیلوں وغیرہا کے مناظر و مشاہدات صادقات کسی صانع مختار کے وجود کی خبر دیتی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: (الَّذِيْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ)- [السجدة :٧].

تو باری تعالی کا مخلوقات میں تصرف اور ملک وملکوت کی تدبیر' اور زمین وآسمان کی حفاظت اس کے وُجود پر بدرجہ اَتم دلالت کرتے ہیں۔ باری تعالی نے فرمایا: (اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ)- [البقرة: ٢٥٥] اللہ ہی زندہ اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔

اور باری تعالی کی صنعتِ کائنات اس کی قدرت تامہ پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: (وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْـمَـاءِ بَشَراً فَجَعَلَهُ نَسَباً وَصِهْراً وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْراً)- [الفرقان:٥٤]

یعنی اللہ ہی ہے کہ جس نے مخصوص پانی سے انسان کو بنایا تو اسے نسبی و سسرالی رشتے دار بنایا اور تیرا رب ہر ممکن پر قادر ہے۔

اور ارشاد فرمایا: (لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضِ يُـحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ)- [الحديد:٢]

یعنی: اللہ ہی کیلئے آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہے زندہ فرماتا اور مارتا ہے اور وہ ہر ممکن پر قادر ہے۔

اور یہ بات آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو جس نظامِ محکم نشان سے تعمیر فرمایا ہے اُس پر بشر قادر نہیں؛ کیونکہ اگر عمومی نگاہ سے صفحاتِ عالم کو ملاحظہ کریں تو ہم سب کو اجسامِ طبعیہ پاتے ہیں لیکن اِن اجسام طبعیہ کا باہمی تمایز ان کی مختلف شکلوں، رنگوں، ذائقوں وغیرہا صفات سے ہے۔ ہر موجود دوسرے موجود سے متمایز ہے اور جو وصف ایک موجود میں ہے وہ دوسرے میں موجود نہیں۔ لہٰذا تخصیص کیلئے تخصیص کرنے والا درکار ہے اور وہ مخصص وہ ہو سکتا جس کا اِرادہ کسی مرجح کا دست نگر نہ ہو۔

اور شک نہیں کہ وہ ذات اللہ تعالی ہی ہے۔

جیسے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا: (يَـهَبُ لِـمَنْ يَّشَاءُ إِنٰثاً وَيَـهَبُ لِـمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُورَ)- [الشورى:٤٩] یعنی اللہ تعالی جسے چاہتا ہے لڑکیاں عطا فرماتا ہے، اور جسے چاہتا ہے لڑکے عطا فرماتا ہے۔

مسئلہ توقیف کی تقریر

توقیف کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذاتِ مقدسہ پر کسی ایسے اسم کا اِطلاق نہ کرنا جو شرع شریف میں وارد نہ ہوا ہو۔

اَلْـمَوَاقِفُ لِلْإِيْـجِيِّ اور شَرْحُ الْـمَوَاقِفِ لِلسَّيِّدِ الشَّرِيْفِ میں ہے کہ مسئلہ توقیف میں کلام اُن اسماء میں نہیں جو لغت میں عَلَمْ وضع کئے گئے ہیں بلکہ کلام اُن اسماء میں ہے جو اَفعال اور صفات سے اَخذ کئے جائیں جیسے قرآن مجید میں فرمایا: (يُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ)۔[فاطر:١٣] تو اگر اس فعل (يُوْلِجُ) سے لفظ (مُوْلِجٌ) کو اخذ کر کے باری تعالی پر اس کا اطلاق جائز نہیں یعنی یہ نہیں کہہ سکتے (اللہُ مُوْلِجٌ)۔اور یہی عامہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

اصحابِ اعتزال اور کرامیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب عقلاً کسی وصف سے باری تعالی کا متصف ہونا ثابت ہو جائے تو باری تعالی پر اُس وصف کا اِطلاق بلاغبار جائز ہے، خواہ اُس پر اذنِ شرعی وارد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔اِسی طرح جب عقلاً کسی فعل سے باری تعالی کا متصف ہونا ثابت ہو جائے تو اُس فعل کا اِطلاق بغیر اِذنِ شرعی کے جائز ہوتا ہے جیسا کہ ماقبل آیت کریمہ کے مطابق ہم باری تعالی کو (مُوْلِجٌ) نہیں کہہ سکتے ہیں۔

ہمارے آئمہ میں سے امام ابو بکر الباقلانی قدس سرہ النورانی کا مختار بھی اس طرف مائل ہے کہ ہر وہ لفظ جو کسی ایسے معنی پر دلالت کرے جو باری تعالی کیلئے ثابت ہو تو اس معنی کا اِطلاق باری تعالی بغیر توقیف جائز ہے بشرطیکہ وہ کسی معنی محال کا اِیہام نہ دیتا ہو ورنہ اطلاقِ مذکور ناجائز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ باری تعالی پر لفظِ (عَارِفٌ) کا اِطلاق ناجائز ہے؛ کیونکہ عارف (اَلْـمَعْرِفَةُ) سے ماخوذ ہے اور معرفت کا ایک معنی وہ علم بھی ہے جو جہل کے بعد حاصل ہوا ہو۔اور شک نہیں کہ وصفِ جہل کبریائے باری تعالی کے سخت مُناقِض و منافی ہے۔

اسی طرح اس پر لفظِ (اَلْفَقِیْہُ) کا اطلاق ناجائز ہے؛ کیونکہ فقیہ فقہ سے مشتق ہے جس کا ایک معنی متکلم کے کلام سے اُس کی غرض و مقصود کو سمجھنا۔ اور شک نہیں کہ یہ معنی بھی جہل سابق کا مشعر یعنی خبر دیتا ہے۔

اِسی طرح لفظِ (اَلْعَاقِلُ) کا اِطلاق باری تعالی پر جائز نہیں؛ کیونکہ عقل وہ وصف ہے کہ جو طبعِ سلیم کو غیرِ مناسب اَفعال کرنے سے روکتا ہے' اور آپ جانتے ہیں کہ یہ معنی اس ذات کے حق میں متحقق ہو سکتا ہے جسے غیرِ مناسب اَفعال کی طرف بلانا بھی ممکن ہو اور شک نہیں کہ یہ عیب ہے، اور ہر عیب باری تعالی پر محال ہے. اِسی لئے لفظِ (اَلْعَاقِلُ) کا اِطلاق باری تعالی پر ناجائز ہے۔

اِسی طرح لفظِ (اَلْفَطِنُ) کا اِطلاق ناجائز ہے؛ کیونکہ فطانت کہتے ہیں کسی کلام کو تیزی سے سمجھنا اور اِدراک کرنا۔ لہٰذا یہ معلوم ہوا اس اِدراک سے پہلے فطین کو جہل عارض ہوتا ہے؛ کیونکہ اگر یہ علم اُسے پہلے ہی سے حاصل ہو تو تحصیل حاصل ہوگا اور تحصیل حاصل باطل کما لایخفی علی العاقل۔

اِسی طرح اُس کی ذاتِ مقدسہ پر لفظِ (الطَّبِیْبُ) کا اِطلاق بھی ممنوع ہے؛ کیونکہ لفظِ (الطَّبِیْبُ) طب سے ماخوذ ہے اور طب سے مراد وہ علم ہے جو تجربات سے حاصل ہوا ہو۔

الغرض جو معنی - خواہ وہ اسماء میں ہو یا افعال میں- حق باری تعالی میں معنی محال کا اِیہام دیں اُس معنی کا اِطلاق بدلالت عقل باری تعالی پر ممنوع ٹھہرے گا۔

بعض آئمہ نے فرمایا: بلا توقیف اِطلاق کیلئے جس طرح معنی محال کے ایہام نہ ہونے کی شرط ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس معنی سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو؛ تاکہ اطلاق مذکور کا تحقق درست ہو سکے۔

مخفی نہ رہے کہ بعض آئمہ کرام کا یہ اِرشاد امام ابو بکر باقلانی قدس سرہ کے مذہب کا تتمہ یا تاکید ہے؛ کیونکہ جب معنی محال کا سلب ہوگا تو معنی تعظیم اِس میں ضرور ہوگا؛ کیونکہ اس کا خلو ممتنع ہے۔

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ تعالی اور اُن کے متبعینِ راشدین کا مذہب اِس باب میں توقیف کا ہے؛ کیونکہ یہ مقام مقامِ خطیر ہے کمالایخفیٰ۔ اور مقامِ خطیر میں اِحتیاط کرنی ضروری ہے اور احتیاط اسی میں ہے کہ معاملہ کو اِذن شرعی کی طرف پھیر دیا جائے اور معنی محال کے عدمِ اِیہام میں اپنی عُقول کے مدارک پر اکتفاء نہ کیا جائے۔

امام جلال الدین دوانی رحمہ اللہ تعالی ' امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ تعالی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وہ معنی جس سے باری تعالی کا متصف ہونا معنی محال کا وہم دیتا ہو ' اُس کا اِطلاق ذاتِ باری تعالی پر بطریقِ تسمیہ جائز نہیں بطریقِ وصف جائز ہے؛ کیونکہ صفت کو محمول کرنا موصوف کے ثبوت کی خبر دیتا ہے جبکہ تسمیہ میں تصرف ذات میں ہوتا ہے اور یہ تصرف تو والدین کو حاصل ہے اور باری تعالی اِس سے پاک ہے لہٰذا اَسماء میں اِطلاق مذکور شرع کے اِذن و اِجازت پر محمول ہوگا برخلاف صفات کہ اُن میں یہ اِطلاق جائز ہے۔

سوال: (خدای) اور لفظِ (تکری) تمام زبانوں میں بطورِ اسم کے استعمال ہوتے ہیں نہ بطور وصف تو ان کا استعمال جائز کیسے؟

جواب: لفظِ (خدای) کا معنی ہے خودآیندہ یعنی موجود بذاتہ ہے اور لفظِ (موجود بذاتہ) اور (واجب الوجود) کے مترادف ہے لہٰذا اس کا اِطلاق جائز ہے جیسا کہ امام فخر الدین رازی قدس سرہ النورانی نے اپنی بعض تصانیف میں اِس چیز کی تصریح فرمائی ہے اور (واجب الوجود) اور (صانع) کا اطلاق بطریق وصف ہے نہ بطریق تسمیہ۔

صاحب النور المبین نے امام ابوالحسن الاشعری کا قول اختیار فرمایا ہے۔

الغرض اسمائے حسنیٰ کے بہت فضائل کتاب اللہ اور احادیث رسول اللہ ﷺ میں وارد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

(وَلِلّٰـهِ الْأَسْمَآءِ الْـحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا) ـ [الأعراف : ۱۸۰]

یعنی اور اللہ ہی کیلئے تمام اچھے نام ہیں لہٰذا انہیں سے اللہ کو پکارو!۔

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّ تِسْعِيْنَ اِسْماً، مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْـجَنَّـةَ) — [صحيح المسلم].

یعنی: اللہ تعالی کے ننانوے نام ہیں، جس نے اُن کا علم و معرفت کیساتھ اُن احاطہ کر لیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

الفصل الرابع : في تنزيه الله تعالى.

ماقبل صفحات میں آپ کو معلوم ہو گیا تھا کہ کسی چیز کی نفی تین طریقوں سے ہوتی ہے :

(1) : صراحتاً اُس چیز کی نفی کی جائے جیسے ما زید بقائم۔

(2) : اُس کے لازم کی نفی کی جائے؛ کیونکہ لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے جیسے (زَیْدٌ لَیْسَ بِمُمْکِنٍ)۔

(3) : اُس کی منافیات میں سے اس کیلئے کسی منافی کا اثبات کر دیا جائے جیسے (زَیْدٌ مَیِّتٌ)۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ سلبیہ کہ اگر اُن میں سے کسی ایک کا اِثبات کر دیا جائے تو اس کا وجوب ذاتی باقی نہیں رہتا جیسے (اَللّٰہُ لَیْسَ بِجَوْھَرٍ) یعنی : اللہ تعالیٰ جوہر نہیں؛ کیونکہ اگر باری تعالیٰ اگر جوہر ہو تو لازم آئیگا کہ وہ ممکن الوجود ہو؛ کیونکہ ممکن الوجود اگر قائم نفسہ ہے تو "جوہر" اور اگر قائم بغیرہ ہو تو "عرض"۔

جبکہ باری تعالیٰ واجب الوجود ہے، اور جو واجب الوجود ہو وہ ممکن الوجود نہیں ہو سکتا، تو لہٰذا جوہریت کا اِثبات واجبُ الوجود کے حُدوث کو مستلزم ہے جو کہ باطل ہے، اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ خود باطل ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا جوہر ہونا باطل ہے۔

یہ چند کلمات معروضہ جو سمجھ لے گا بابِ صفات سلبیہ اس پر منکشف ہو جائے گا۔

تنبیہ ضروری: قرآن وسنت میں بعض الفاظ ایسے وادر ہوئے ہیں جن کا ظاہری معنی دیکھا جائے تو اُس سے تشبیہ سمجھ آتی ہے جیسے یہ ارشاد (اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) – [طه: ٥]. یعنی اُس نے عرش پر استواء فرمایا جیساکہ اس کی شان کے لائق ہے۔

اِسی طرح بہت سی مخلوقات کی صفات، باری تعالی کے حق میں وارد ہوئی ہیں تو ایسی صورت میں مسلمان پر واجب ہے کہ تشبیہ و تجسیم کا اعتقاد رکھے بغیر اُن صفات کے حق ہونے کا اعتقاد رکھے اور کیفیات میں تفکر نہ کرے، اور نہ ہی تاویل کرے، بلکہ اُن نُصُوص کا علم باری تعالی کے سپرد کردے اور کہے: کہ میں اللہ تعالی اور اُس کے رسول ﷺ کے اِرشادات پر اِیمان لایا اور اُن کے جو معانی خدااور رسول عزوجل وﷺ نے ان سے مراد لیا اُن پر ایمان لایا۔

یاد رہے کہ یہی راہِ سلامت ہے اور باری تعالی نے اِس راہ پر چلنے والوں کی قرآن مجید میں تعریف فرمائی ہے،

چنانچہ فرمایا: (وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا)- [آل عمران:٧]

یعنی: پختہ علم والے کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے، ہر شی ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

اسی طریقہ پر امام شافعی، وامام احمد بن حنبل، وامام سفیان ثوری، وامام ابن مبارک وغیرہم متقدمین علماء ذوی الشان ہیں یاد رہے کہ تاویل ہو یا تفویض دونوں ہی اہل سنت ہی کے مذہب ہیں مسلکِ تفویض ہی اصل ہے کہ اس کا معنی اللہ تعالی ہی جانے اوراِس کی مراد کو ہم اللہ تعالی کے سپرد کرتے ہیں، ہمارے اس پر جہل زمانے میں اسی پر عمل کرنا چاہیے۔

اعلی حضرت، آقائے نعمت، امام عشق و محبت، سیدنا وامامنا، امام احمد رضا خان القادری رحمہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: کہ مسلکِ تاویل اور مسلکِ تفویض دونوں ہی ہمارے ائمہ اہل سنت کے مذاہب سے ہیں۔ علماء متاخرین نے حفظِ ایمانِ عوام کیلئے آیاتِ متشابہات میں تاویلات فرمائی ہیں اور خود اعتقاد وہی رکھا جو آئمہ متقدمین کا ہے یعنی ترکِ تاویل۔

القاعدة الثانية : فِي إثبات النُّبُوَّةِ

فصل اول

نبوات کے اثبات میں

اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم الصلوات والسلام کو مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا، اور اُن پر کتابیں اور صحائف نازل فرمائے، اور اُنہیں تمام مخلوق پر فضیلت عطافرمائی، پھر اُن میں بھی بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔قرآن مجید میں بعض انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر تو صراحت و وضاحت کیساتھ آیا ہے اور بعض کا ذکر باری تعالی نے نہیں فرمایا۔

سب سے پہلے نبی سیدنا ابو البشر آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی ہمارے سردار سیدنا و امامنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ ترتیب تو اَبدان کے اعتبار سے ہے ورنہ عند التحقیق روح محمدی ﷺ ہی سب سے پہلی مخلوق اور تمام موجودات کی اصل ہے'خود ارشاد فرماتے ہیں : (كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الْـمَآءِ وَالطِّيْـنِ) رواه الترمذيُّ یعنی میں نبی تھا حالانکہ آدم (علیہ السلام) مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم الصلوات والسلام کو دعوی نبوت میں اپنی صداقت ثابت کرنے کیلئے معجزات عطافرمائے جیسا کہ اس نے فرمایا : (وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ) - [الحديد: ٢٥].

یعنی : ہم نے اپنے رُسُل کو معجزات کیساتھ مبعوث فرمایا۔

اور رسول اکرم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا : (مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ أُوْتِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ)

یعنی : کوئی نبی ایسا نہیں مگر اسے نشانیاں عطا کی گئیں جس پر انسان ایمان لائے۔

"بعثتِ انبیاء علیہم الصلوات والسلام کی حکمتیں"

اللہ تعالی نے لوگوں کی ہدایت کیلئے بطور فضل و اِحسان انبیاء کرام علیہم الصلوات والسلام کو مختلف اَقوام کی طرف معجزات کیساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اللہ تعالی اِس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ کسی نبی کو مبعوث نہ فرمائے اور لوگوں کو ہدایت نصیب ہو جائے لیکن رحمتِ الٰہیہ اِرسال رُسُل کے طریقے پر جاری ہوئی ہے جس میں بندوں کیلئے کئیں حکمتیں ہیں :

پہلی حکمت : معقولات میں یہ بات طے ہے کہ لوگوں کی عقلوں میں برابری نہیں بلکہ اُن کی عقول تین طبقات پر منقسم ہے :

(1) – عقول عالیہ جیسے انبیاء واولیاء و صلحاء و عرفاء کی عقلیں۔

(2) – عقول متوسط جیسے ہم جیسے عام لوگوں کی عقلیں۔

(3) - عقول سافلہ جیسے نادان بچوں، مجانین اور معتوہ کی عقلیں۔

اور یہ بات بھی طے ہے کہ جو لوگ عقولِ متوسط رکھتے ہیں وہ نفسِ عقل میں تو برابر ہیں، لیکن قوتِ اِدراک میں برابر نہیں، بلکہ اِن میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مناہجِ علم و عمل ہر میدان میں جداجدا ہوتے ہیں۔

لہٰذا اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم الصلوات والسلام کو لوگوں کی طرف بھیجا؛ تاکہ وہ جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہیں اور جو حق و باطل ان پر ملتبس (مشتبہ) ہو چکا ہے، تو انبیائے کرام اُنکے مقدمہ خِلافیہ میں قولِ فیصل جاری فرمادیں اور حق اُن پر روشن فرمائیں۔

اللہ تعالی نے اِسی غرض کو حکایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا : (كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ)– [البقرة:٢١٣].

یعنی : لوگ ایک امت تھے تو اللہ تعالی نے نبیوں کو بھیجا کہ خوشخبری سناتے اور ڈرسناتے ہوئے، اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری؛ تاکہ وہ لوگوں کے اختلافی باتوں میں فیصلہ فرمادیں۔

دوسری حکمت: یہ ہے کہ جب ہم ذاتِ واجب الوجود اور ذاتِ ممکن الوجود (مخلوقات) کی طرف نظر کرتے ہیں، تو ان کے درمیان کوئی مناسبت نظر نہیں آتی بلکہ دونوں میں ایک تباین پایا جاتا ہے؛ کیونکہ ذات باری تعالی واجب الوجود، قدیم، ازلی و ابدی، غیر محدود، غیر معدود، نہ جوہر، نہ عرض، نہ متحیز، نہ ہی متمکن ہے، جبکہ مخلوقات تمام ممکن الوجود، حادث، محدود، و معدود، متحیز، و متمکن، وغیرہا اضداد اُن کیلئے ثابت ہیں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ مُسْتَفِیْض (مخلوق) اور مُفِیْض (خالق) میں کوئی واسطہ ایسا ہونا ضروری ہے جو مفیض (اللہ تعالی) سے فیض لے اور مستفیض (مخلوقات) تک پہنچائے اور اُن مستفیدین کو بتائے کہ مفید نے اِن کاموں کو کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، اور اُن کاموں سے روکنے کا حکم فرمایا ہے۔

بالفرض اللہ تعالی اگر انبیاء کرام کو مبعوث نہ فرماتا اور اَحکام کی بناء عقول پر رکھی جاتی، تو اَحکام میں قطعیت نہ رہتی؛ کیونکہ ذرائع معلومات - وحی، عقلِ سلیم، اور حواسِ خمسہ ظاہرہ سلیمہ - میں وحی کے علاوہ سب کے مدرکات میں اَغلاط کا اِمکان ہی نہیں بلکہ وقوع ہے کما لایخفی علی المتامل الصادق اور نجات کا مدار اور معیار ایسی چیز نہیں ہو سکتی۔

لہٰذا تائید وحی درکار ہے اور وحی کا اِبلاغ انبیائے کرام علیہم الصلوات والسلام کے توسط کے بغیر ممتنع ہے۔ لہٰذا باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُوْلٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ) — [النساء: ٦٤].

یعنی: ہم نے کسی رسول کو نہ بھیجا مگر اس لئے کہ خدا کے حکم سے ان کی فرمانبرادری کی جائے۔

تیسری حکمت: انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کرنے کی حکمت یہ بھی ہے کہ بروزِ حشر، کفار یہ عذر نہ کرسکیں کہ اے اللہ! تو نے ہدایت کا معیار ہماری عقول پر رکھا جس میں کثیر اغلاط کا وقوع ہوتا ہے۔ کاش! تو ہدایت کا معیار کسی نبی کے اِرسال پر کرتا؛ تاکہ ہم ضعیف العقل گمراہی سے بچ جاتے۔

لہٰذا اللہ تعالی نے انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات مخلوق کی طرف اِرسال فرمایا اور اُن کے اَعذار کو جڑ سے ہی ختم فرمادیا۔ چنانچہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُوْلاً) – [الإسراء:١٥]. یعنی ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے حتی کہ کسی رسول کو (اس قوم کی طرف) مبعوث کردیں۔

اور باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ)– [النساء:١٦٥]،

یعنی (ہم نے) رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے (بھیجے) تاکہ رسولوں (کو بھیجنے) کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کے لئے کوئی عذر (باقی) نہ رہے۔

اسی لئے اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: (يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ ءايٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا)–[الأنعام:١٣٠].

یعنی اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس تم میں سے رُسلانِ گرامی نہ آئے جو تم پر میری آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتے اور تمہیں تمہارے آج کے دن سے ڈراتے؟!۔

دوسری فصل رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت کے اِثبات میں

اللہ تعالی نے نبی کریم ﷺ کو عامہ مخلوق عرب و عجم و جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ اور سب پر یہ لازم فرمایا کہ وہ دینِ محمدی ﷺ یعنی دینِ اسلام میں پورے پورے داخل ہو جائیں؛ کیونکہ اگر اب اگر کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دین اختیار کرے گا تو وہ دین اللہ تعالی کے نزدیک ہر قابلِ قبول نہیں ہوگا؛ کیونکہ اللہ تعالی نے دین اسلام کو تمام اَدیان کیلئے ناسخ اور تمام شرائع کیلئے خاتم بنایا ہے۔

اللہ تعالی نے ارشادفرمایا: (يَا أَيُّـهَا النَّاسُ إِنِّيْ رَسُوْلُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيْعاً) – [الأعراف:١٥٨].

یعنی: اے لوگوں میں تم سب کی طرف خدا کا رسول ہوں۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا: (وَمَن يَبْتَغِ غَيْـرَ الْإِسْلَامِ دِيْناً فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ) -[آل عمرآن: 85]

یعنی: جو اِسلام کے علاوہ کوئی دینِ تلاش کرے گا تو وہ دین مردود ہوگا اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں سے ہوگا۔

اللہ تعالی نے فرمایا: (وَلٰكِن رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ) -[الأحزاب: ٤٠] یعنی اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

"نبوت حضور پرنور ﷺ کی صداقت کے دلائل"

نبی کریم ﷺ کی نبوت کی صحت پر کثیر دلائل بعون اللہ میسر ہیں۔مصنف علیہ الرحمہ نے انہیں پانچ انواع میں جمع فرمادیا ہے۔

(1) : پہلی نوع قرآن مجید کی حجیت پر مشتمل ہے اور قرآن مجید نبی کریم ﷺ کی نبوتِ پر دس وجوہ سے دلالت کرتا ہے :

پہلی وجہ : یہ ہے کہ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ایسی عظیم ہے کہ بڑے بڑے فصحائے عرب نے جب اُس کی ایک آیت سنی تو کہہ دیا : کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں، اور جس نے بھی اس کی مثل بنانے کی کوشش کی ناکام و نامراد ہوا۔اس کی نظم کی ترتیب دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آبدار و چمکدار خوبصورت موتیوں کو ریشم کی لڑی میں منسلک کردیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء نے اس کی نظم کو فصاحت سے بالا ایک الگ وجہ اعجاز قرار دیا ہے۔

دوسری وجہ : اہلِ عرب کو اپنی عربیت پر اِس قدر فخر تھا کہ جن ممالک کے افراد عربی زبان نہیں بولتے تھے انہیں وہ گونگا سمجھتے ہوئے "عجمی" کہتے تھے۔اور زبانی دانی کا کیسا چیلینج ہی کیوں نہ ہو، قبول کئے بغیر نہیں رہتے تھے حتی کہ ان میں کئیں جنگوں کا سبب، زبانی تغلب بھی بنا، ایسے زمانے میں سید الفصحاء و امام البلغاء ﷺ نے اُنہیں قرآن کریم کی مثل لانے کا چیلینج دیا لیکن وہ عاجز آگئے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ کلامِ الٰہی کی مثل بنانے پر مخلوق قادر ہی نہیں لہٰذا وہ عاجز ہوئے؛ کیونکہ قدرت کی نقیض عجز ہے۔

اللہ تعالی نے حضور ﷺ کا چیلینج بایں الفاظ قرآن کریم میں حکایت فرمایا : (وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَأْدْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ)[البقرة:۲۳].

یعنی اگر تم ہمارے نازل کردہ کلام میں کسی شک میں تو اس کی مثل ایک چھوٹی سورت لے آو! اور خدا کے سوا اپنے شریکوں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔ اور ان کا یہی حشر ہوا کہ وہ بری طرح عاجز آگئے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض منکر ہوئے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: (قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَ الجِنُّ عَلَیٰ أَن یَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا یَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْراً)۔ [الإسراء:۸۸].

یعنی: آپ فرمادیں کہ بخدا اگر تمام انسان اور جنات قرآن کریم کی مثل لانے پر اجماع کرلیں تو وہ اس کی مثل نہیں لاسکتے، اگرچہ بعض بعض کیلئے (مثل قرآن لانے پر) مددگار بن جائیں۔

تیسری وجہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ اُمتوں اور انبیائے گذشتہ علیہم السلام کی خبریں اِرشاد فرمائیں گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے زمانے میں انہیں مشاہدہ فرمارہے تھے۔اور عقل بھی کہتی ہے متاخرِ زمانی کا وجود متقدمِ زمانی کیساتھ جمع نہیں ہوسکتا، لیکن حضور نے بذریعہ وحی (قرآن) لوگوں کو اُس پر اطلاع دی اور شک نہیں یہ عظیم ترین معجزات سے ہے۔

چوتھی وجہ: قرآن کریم نے اُن غیبی اُمور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا جن کا وقوع نہ ہوا تھا پھر عین اُس غیبی خبر کے مطابق وہ امور معرض وجود میں آئے جیسے یہ ارشاد پاک: (لِیُظْهِرَ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهِ)۔ [التوبة: ۳۳]

یعنی: تاکہ وہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام ادیان پر غالب کردے، اس کا وقوع زمانہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام میں ہوگا کہ جب امت ایک ہوجائے گی اور اسلام کے علاوہ کوئی دین نہ ہوگا (تفسیر طبری)۔

یہ بھی غیبی خبر ہے جس کا وقوع عنقریب ہوگا۔اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ وہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب پاک رضی اللہ تعالی عنہم مسجد حرام میں بحالتِ اِحرام اس طرح داخل ہورہے ہیں کہ ان کے سر حلق کئے ہوئے ہیں تو اللہ تعالی نے آپ کے اس خواب کے اِتمام کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: (لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ) [الفتح: ۲۷].

یعنی آپ سب ضرور مسجد حرام میں داخل ہونگے۔اس کے علاوہ کئیں آیات ہیں جس میں اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب پر مطلع فرمایا۔

اِسی طرح قرآنِ کریم کے ذریعے اللہ تعالی نے لوگوں کے سینوں میں چھپی ہوئی باتوں پر بھی نبی آخر الزماں ﷺ کو مطلع فرمایا: (وَيَقُوْلُوْنَ فِي أَنْفُسِهِمْ)-[المجادلة: ۸] یعنی وہ اپنے دلوں میں کہتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے یہود کے ایک برے فعل کی غیبی خبر دی کہ (وَيُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه) — [النساء:٤٦]

یعنی یہود احکام میں ردوبدل کرتے ہیں ہیں۔

پانچویں وجہ: یہ کہ قرآنِ کریم میں عقائدِ دین مثلا اسمائے باری تعالی وصفات باری تعالی' آخرت کے اَحوال' پھر اس پر دلائل قاہرہ' سابقہ اُمتوں کے اَحوال وغیرہا اس بلیغ انداز سے جمع فرمادیے ہیں کہ عقول اِس مثل بیان لانے سے عاجز ہوجاتی ہیں۔

چھٹی وجہ: یہ ہے کہ قرآن کریم ایک حرف کی تبدیلی و تغییر سے محفوظ فرمایا گیا ہے. برخلاف دیگر آسمانی کتب کہ ان میں تحریف وردوبدل کردیا گیا۔ ان کتب محرفہ کے بارے میں ہمیں یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ اس میں دین حضور ﷺ کے مطابق ہے اسے مانتا ہوں اور اس کے درست ہونے کا اعتقاد رکھتا ہوں اور جو دین حضور ﷺ کے مخالف ہے اس سے بری ہوں (بحر الکلام از امام نسفی علیہ الرحمہ)۔

اِسی لئے باری تعالی نے فرمایا: (إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ)- [الحجر:۹].

ساتویں وجہ: یہ ہے کہ قرآنِ کریم حکمت نظریہ اور اس کی اقسام طبعیات' الہیات' ریاضیات اور منطقیات' اس طرح حکمت عملیہ اور اس کی اقسام: علم سیاست مدنیہ' علم تہذیب الاخلاق' علم تدبیر منزل میں بلیغ انداز میں جمع ہے اور آپ جانتے ہیں کہ انسان کا مقصدِ اصلی سعادتِ اُخرویہ و دنیویہ کا حصول ہے اور یہ سعادت انسان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ اپنی قوت نظریہ اور قوت عملیہ میں کامل ہوجاتا ہے اور شرع شریف دونوں قوتوں کے تفصیلی بیان پر مشتمل ہے۔

آٹھویں وجہ: قرآنِ کریم کا خاصہ ہے کہ اُس کو یاد کرنا سہل وآسان بنادیا گیا ہے۔اور اُس کے نظائر ہمیں ہمارے ماحول میں بکثرت دستیاب ہیں، چھوٹے چھوٹے بچے ماشاء اللہ تعالیٰ ایک سال میں بآسانی قرآن کریم حفظ کرلیتے ہیں جبکہ دیگر آسمانی کتب وصحائف کا حفظ صرف ان کے انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ تھا۔

نویں وجہ: قرآن کریم کی خاصیت ہے کہ اُسے پڑھنے اور سننے والا اکتاتا نہیں، جبکہ دیگر کلام تین بار اِعادہ سے ہی موجب اِملال ہوتا ہے۔

دسویں وجہ: قرآن کریم مکمل شافی ہے، خواہ وہ اَمراضِ بدنیہ ہوں یا اَمراضِ روحانیہ۔اور اس میں بعض آیات کے خواص ایسے ہیں کہ اگر اُنہیں مریض پر دم کردیا جائے وہ مریض بعون اللہ شفاء پاجائے جیسے حدیث شریف میں آیا کہ سانپ سے ڈسے ہوئے شخص پر سورۃ الفاتحہ پڑھ کر دم کریں تو شفاء ہوگی، اسی طرح حدیث میں آیا سورۃ الحشر کی آخری آیات کی تلاوت موت کے علاوہ ہر مرض سے شفاء ہے۔

دوسری نوع کا بیان

(معجزات رسولِ شاندار ﷺ کا بیان)

نبی کریم ﷺ کے دستِ کریم پر صدہا معجزات کا ظہور ہوا جسے اُمت نے ملاحظہ کیا۔ اور حضورِ پر نور ﷺ کے معجزات بہت ہیں حتی ایک بزرگ نے فرمایا: کہ معجزاتِ حضور ﷺ تقریباً ایک ہزار ہیں۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ اللہ تعالی نے جو اپنے ہر نبی کو معجزہ یا معجزات عطا فرمائے لیکن حضور اقدس ﷺ کو وہ تمام کے تمام معجزات ان کے معجزات سے بہتر یا ان کی مثل عطا فرمائے جیسے آپ ﷺ کے اشارے سے چاند کا شق ہو جانا، آپ ﷺ کی انگشتائے مبارکہ سے چشموں کا جاری ہو جانا، تھوڑا سا کھانا ایک بڑی جماعت کو کفایت کر جانا، کثیر غیبی خبروں سے اصحاب پاک رضوان اللہ تعالی علیہم الرضوان کو مطلع فرمانا، کنکرویوں کا آپ ﷺ کی مٹھی شریف میں کلمہ پڑھنا اور آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دینا، حجر کا آپ ﷺ کو سلام عرض کرنا، شجر کا آپ ﷺ کو تحیت (سلام کرنے) کیلئے پیش ہونا اور شہادت نبوت دینا، ہرنی کا آپ ﷺ سے فریاد کرنا اور آپ ﷺ کا اس کی زبان سمجھ کر اس کی فریاد رسی فرمانا اور اس کا آپ ﷺ کی شہادت نبوت دینا، اسی طرح بجو کا آپ ﷺ سے کلام کرنے کا شرف پانا اور شہادت نبوت دینا، اونٹنی اور گدھے کا آپ ﷺ سے ہم کلام ہونا، بھیڑیے کا آپ ﷺ کی نبوت شریفہ کی گواہی دینا، کھجور کے خشک تنے کا آپ ﷺ کی فرقت میں رونا اور آہ و فغاں کرنا، نومولود بچے کا آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت دینا، سیدنا قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ کا دربار رسالت مآب ﷺ میں اپنی ایسی زخمی آنکھ لے کر حاضر ہونا جو ان کے گال پر لٹک رہی تھی اور حضور دافع البلاء ﷺ کا اس پر دست انور پھیرنا اور اس کا چشم زدن میں پہلے سے بہترین ہو جانا، آپ ﷺ کا مردوں کو زندہ فرمانا اور اُن کا آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دینا، اللہ جل مجدہ کا آپ ﷺ کی کثیر دعاوں کو مستجاب فرمانا جیسے سورج کو لوٹانے والا واقعہ ' استسقاء کے دوران باران رحمت کا برسنا، آپ ﷺ کا کسی کیلئے دعائے صحت فرمانا اور مریض کا فوراً ٹھیک ہو جانا وغیرہ معجزات ہمارے سردار ﷺ کے ہیں۔

صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ، وَآلِہِ وَأَصْحَابِہِ أَجْمَعِیْنَ وَسَلَّمَ ، مَا دَامَتِ الْأَنَاسِيْ تَنَفَّسَتْ، بَلْ إِلٰی أَبَدِ الْأَبَادِ آمین آمین آمین یَارَبَّ الْعَالَـمِیْنَ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَہُ الْکُبْرٰی یَوْمَ لَایُفْتَحُ بَابٌ إِلَّا بَابُہُ علیہ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ.

"نبی کریم ﷺ کے معجزات کی اقسام"

پہلی قسم : وہ معجزات جنہیں ہم قطعاً یقینا جانتے ہیں جیسے انشقاق قمر کا معجزہ؛ کیونکہ قرآن مجید نے اس کے وقوع کی تصریح فرمائی ہے اور قرآن کریم کی نصوص کو ان کے ظاہر پر رکھنا واجب ہے جبکہ کوئی قرینہ نہ ہو جو ظاہر سے پھیرنے کا تقاضا کرے۔ اور صحیح احادیث مبارکہ کثیر طرق سے اس پر وارد ہوئی ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی انگشت مبارکہ سے چشموں کا جاری ہونا' تھوڑے سے کھانے کا کثیر افراد کو کفایت کرنا۔

دوسری قسم : وہ معجزات ہیں کہ جن کی جنس تو قطعی ہے یعنی نوع میں قطعیت نہیں جیسے غیب کی خبریں اور دعاوں کی قبولیت یعنی یہ قدر تو معلوم ہے کہ حضور ﷺ علم غیب جانتے تھے اور غیب کی خبریں بھی دی' اور حضور ﷺ مستجاب الدعوات تھے لیکن کیا کیا خبریں دی اور کون کون سی دعائیں قبول ہوئیں اس کا قطعی علم نہیں۔ لیکن ان اخبار غیبیہ اور مقبول دعائیں اس حد تک ہیں کہ ان کا مجموعہ مفید یقین ہے۔

تیسری نوع کا بیان

حضور ﷺ کو عطا کردہ فضائل اور فواضل سے استدلال

حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار فضائل و کمالات عطا فرمائے، غیر متناہی کمالات کا مصدر بنایا جس کے بیان سے کتبِ شمائل بھری ہوئی ہیں۔ اور شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ کمالات متناہیہ اس انسان کو عطا فرماتا ہے جو اس کا محبوب کامل ہو۔ جو فضائل آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے موہوب فرمائے وہ شمار سے باہر ہیں، قلم ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :

(1) : **نسب کی شرافت** : کہ آپ ﷺ کے نسب شریف میں سب موحدین مسلمین تھے۔

(2) : **جمالِ صورت** : کہ آپ ﷺ جیسا حسین کسی ماں نے نہ جنا، سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں : کہ ایک بار چاندنی رات میں، میں حضور ﷺ کیساتھ تھا، میں ایک نظر چاند پر ڈالتا اور دوسری نگاہ جلوہ مصطفیٰ ﷺ پر تو بخدا مجھے چاند سے زیادہ خوبصورت آپ ﷺ کا رخ انور معلوم ہوتا تھا۔

(3) : **زیادتِ عقل** : کہ بابِ نبوت کیلئے جو چیزیں واجب ہیں ان میں عقل بھی ہے اور آپ ﷺ کی عقل شریف ایک طرف اور تمام عالم کی عقول ایک طرف ہیں، حضور ﷺ کے قضایا اس پر شاہد ہیں۔

(4) : **صحت فہم** : کا عالم یہ تھا کہ باز بانوں کیساتھ کیساتھ بے زبانوں کی بات بھی سمجھ جاتے اور ان کی مدد فرماتے تھے۔

(5) : **فصاحت لسان** : زبان مبارک میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت پائی جاتی تھی، ایک بار آپ ﷺ نے ایسا کلام فرمایا جسے کوئی نہ سمجھ سکا حالانکہ مجلس شریف میں افصح ترین اصحاب موجود تھے۔

(6) : **قوت حواس** : اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے حواس بے مثال بنائے کہ آپ ﷺ اندھیرے میں بھی اسی طرح اشیاء کو ملاحظہ فرماتے جس طرح دن ملاحظہ فرماتے۔

(7) : **کثرتِ علوم** : حضور ﷺ کو اللہ تعالی نے ماکان و مایکون کا علم تدریجا عطا فرمایا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : "إِنَّ اللهَ قَدْ رَفَعَ لِي الدُّنْيَا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهَا وِإِلَى مَا هُوَ كَائِنٌ فِيْهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، كَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي هٰذِه"

(كنز العمال بحوالة المعجم للطَّبراني)

یعنی : بلا شبہ اللہ تعالی نے مجھ سے دنیا کے حجابات اُٹھالئے ‘تو میں اس کی طرف اور جو قیامت تک اس میں ہونے والا ہے اسے ایسے ملاحظہ کر رہا ہوں جیسے میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔

اسی طرح امام طبرانی بسندِ صحیح سیدنا ابو الدرداء ضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ اس حال میں جدا ہوئے کہ ابتدائے دنیا سے آخرت تک کے احوال کو تفصیلا بیان فرمادیا یہاں تک کہ پرندہ کے پر کی حرکت کے بارے میں بتایا۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثِ کسوف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : کوئی چیز ایسی نہیں جسے میں نے نہ دیکھا ہو مگر میں نے اُسے اپنے اس جائے قیام میں ملاحظہ فرمالیا ہے۔

صحیح مسلم شریف ‘کتاب الفتن میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ طلوعِ فجر کے بعد دنیا کی ابتدائی احوال بیان فرمانا شروع ہوئے بیان کرتے کرتے سورج ڈوب گیا حتی کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا سب بیان فرمادیا تو ہم سے زیادہ علم والا وہ ہے جو (اخبار حضور ﷺ) کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

الغرض ہمارے نبی ﷺ کثیر صفات و کمالات کے جامع ہیں اسی لئے آپ بے نظیر ہیں۔اور اہل کتاب نے حضور ﷺ کی توصیفات بغیر کسی اختلاف کے اپنی کتب میں نقل کیں ہیں بلکہ ہمیں اہل کتاب کی نقل کی کیا حاجت خود ان کا خدا انہیں بلندیٔ اخلاق کی بشارت دیتا ہے ‘ایک سچے مسلمان کو یہ ارشاد باری تعالی کافی و وافی ہے: **(وإِنَّكَ لَعَلىٰ خُلُقٍ عَظِيْمٍ)**

[القلم:٤]. یعنی اے حبیب ﷺ آپ بلند و بالا اخلاق پر فائق ہیں۔

بادشاہِ روم ہرقل کیساتھ جو حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالی عنہ کی گفت گو ، اور اس کا حضور پرنور ﷺ کے احوال شریفہ اور اخلاق فاضلہ اور نسب اقدس کے بارے میں استفسار کرنا پھر ہرقل بادشاہ کا آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لے آنا جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے۔ یہ سب حضور ﷺ کی صداقت و عظمت کیلئے واضح ثبوت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ ﷺ کو دیکھنے کیلئے گیا جو جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ انور ملاحظہ کیا تو مجھ پر یہ آشکار ہوگیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہے۔

چوتھی نوع کا بیان

حضور ﷺ کی ولادت شریفہ سے قبل ظاہر ہونے والے معجزات

بعثتِ حضور پر نور ﷺ سے پہلے بھی کئیں واقعات ایسے رونما ہوئے جس سے حضور ﷺ کی نبوت کی صداقت اور عظمت شان کا معلوم ہوتا ہے جیسے جب حضور ﷺ اِس دنیا میں پیدا ہوئے تو ایک نور آپ ﷺ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوا، اور اِیوان کسریٰ پر لرزہ طاری ہو گیا، فارس میں ہزار سالہ جلتی آگ بجھ گئی اور اس کے علاوہ کثیر واقعات جو آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر ظاہر ہوئے تھے۔ تفصیل کیلئے امام جلال الدین سیوطی کی کتاب الخصائص الکبریٰ کا مطالعہ فرمائیے۔

اسی طرح سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالی سے یہ دعاء کی کہ وہ نبی آخر الزمان ﷺ کو ان کی اولاد میں پیدا فرمائے۔ ان کی اس دعا کو قرآن کریم میں بایں الفاظ حکایت کیا گیا ہے: (رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ) [البقرة:١٢٩]. یعنی اے ہمارے رب! اہل مکہ میں انہیں میں سے ایک رسول بھیج۔

اِسی طرح رسول اللہ ﷺ کا نسب شریف بھی ہر عیب سے پاک خدا نے بنایا ہے۔ امام حاکم حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب اللہ تعالی نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو عرب کو اختیار فرمایا، پھر عرب میں سے قریش کو اختیار فرمایا، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اختیار فرمایا، پھر بنی ہاشم میں سے مجھے اختیار فرمایا تو میں بہترین لوگوں میں سے سب سے بہترین ہوں۔

حضرتِ سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم ارشاد فرماتے ہیں: ہمارے نسب میں کوئی زانی نہیں، سب کے سب نکاح والے ہیں۔

اِسی طرح اللہ تعالی نے اہل مکہ سے اصحابِ فیل کو جو دور فرمایا وہ آپ ﷺ کی برکت سے دور فرمایا تھا؛ باری تعالی ارشاد فرماتا ہے: (أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيْلِ) [الفيل:١] یعنی اے حبیب کیا آپ نے نہ دیکھا کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کیساتھ کیا کیا؟

اسی طرح حضراتِ موسیٰ و عیسی اور دیگر پیغمبرانِ باری تعالی نے بعثتِ حضور ﷺ کی خبر دی تھی؛ باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ) [آل عمران: ٨١]

یعنی: یاد کرو جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا: جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔

اور اِسی طرح وہ نصوص بھی ہیں جو توارت وانجیل میں مذکور ہیں، اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: (اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ) [الأعراف:١٥٧].

یعنی: اور وہ جو اس رسول کی اتباع کریں جو غیب کی خبریں دینے والے ہیں، جو کسی سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں، جسے یہ (اہل کتاب) اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اِسی طرح جب آپ ﷺ پیدا ہوئے تو شیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع ہو گیا اور زبردستی داخل ہونے کی صورت میں ان شیطانوں کو شہابِ ثاقب مارے گئے جیسا کہ اللہ تعالی نے جنات کے قول کے بارے میں ارشاد فرمایا:

(وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ، فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَاباً رَصَداً) [الجنّ: ٩].

یعنی: اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کیلئے کچھ بیٹھنے کی جگہوں پر بیٹھ جایا کرتے تھے، پھر اب جو کوئی سنے وہ اپنی تاک میں آگ کا شعلہ پائے گا۔

علمائے اہل کتاب، پادریوں اور اہل کلیسہ سے بھی حضور ﷺ کی ذاتِ شریفہ کے متعلق اَخبار باکثرت مروی ہیں جن میں آپ ﷺ کی صفات کمالیہ، آپ ﷺ کی امتِ اجابت کی خصوصیات، آپ ﷺ کے اسمائے مبارکہ، اور آپ ﷺ کی علامات وغیرہا شامل ہیں۔

بحیرا راہب کا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے بچپن شریف میں پہچان لینا، اسی طرح زید بن عمر بن نفیل، ورقہ بن نوفل، وغیرہا حضراتِ موحدین کا آپ ﷺ کو نبوی حیثیت سے پہچاننا اور آپ ﷺ میں وہ علامات کا بطریق اکمل پایا جانا جن کا ذکر اُن حضرات نے آسمانی کتب میں پڑھا تھا، اور اسی طرح آپ ﷺ کا ذکر شریف متقدمین موحد شعراء کے دواوین میں بھی پایا جاتا ہے جیسے تبع، اوس بن حارثہ وغیرہما کے اشعار میں بھی ذکر مصطفیٰ ﷺ موجود ہے۔

پانچویں نوع کا بیان :

"وہ امور جو رسول ﷺ کے دنیا سے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد واقع ہوئے"

نبی کریم ﷺ کے ظاہری پردہ فرمانے کے بعد کئیں علامات ظاہر ہوئیں' جیسے عالم میں دینِ اسلام کا غلبہ جیساکہ باری تعالی کا ارشاد پاک :

(هُوَالَّذِی أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْـهُدی وَدِيْنِ الْـحَقِّ لِـيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّه) [التوبة :٣٣]

یعنی : وہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کیساتھ بھیجا تاکہ اللہ دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب فرمادے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی امت کیلئے مشرق و مغرب کی فتح بھی حضور ﷺ کے ارشاد پاک کی تصدیق ہے ؛کیونکہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں :

(زُوِيَتْ لِي الأَرْضُ فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَ مَغَارِبَـهَا، وَإِنَّ مُلْكَ أُمَّتِيْ سَيَبْلُغُ مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا)۔

یعنی : میرے لئے زمین لپیٹی گئی پس میں نے اُس کے مشرق و مغرب کو ملاحظہ کرلیا' اور جہاں تک کی زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی تھی وہاں تک عنقریب میری امت کی سلطنت وحکومت پہنچ کر رہے گی۔

: غور کرو کہ نبی ﷺ کی امت قیصر وکسریٰ وغیرہا سلاطین پر کیسے غالب آئی اور ان کی سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا حالانکہ وہ طاقت وار ' عظیم جنگ جو انسانوں میں سے تھے اور ان کے لشکر کثیر تھے لیکن خدا ہر ممکن پر قادر ہے پس خدا نے انہیں مغلوب اور امت حضور ﷺ کو غالب فرمادیا۔

اسی طرح دین حضور ﷺ کی بقاء بھی آپ ﷺ کا عظیم معجزہ ہے ؛کیونکہ بحمدہ تعالی دین اسلام پر ہزاروں صدیاں گزر گئیں لیکن اس کے بنیادی واصلی مسائل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ' خیال رہے اجتہادی مسائل دین میں تبدیلی نہیں بلکہ دین اسلام کی اصول کی جامعیت اور اس کی وسعت کا اظہار ہے۔

اِسی طرح حضور ﷺ کی امت کی کثرت اور حضور ﷺ کو ماننے والوں کی کثرت ' اور لوگوں کا دین حضور ﷺ لشکری تعداد میں لوگوں کا داخل ہونا سب معجزہ حضور ﷺ ہے؛ کیونکہ کسی نبی علیہ السلام کی امت کو عقیدہ وحدت پر رہتے ہوئے وہ کثرت عطا نہ ہوئی جو ہمارے سرادر سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کو عطا ہوئی۔

حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں : (وَإِنِّي لَأَرْجُو أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعاً يَوْمَ الْقِيَامَةِ)۔

یعنی : بے شک میں امید کرتا ہوں کی بروز حشر کثیر لوگوں کا متبوع ہونگا۔

اسی طرح جو تفقہ فی الدین اور کثیر علوم حضور ﷺ کے اصحاب رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر برکت ﷺ سے ظاہر ہوئے وہ بھی حضور ﷺ کا معجزہ ہیں ؛کیونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ان کمالات فکریہ وعملیہ کا اصل مصدر ومنشاء حضور ﷺ کی تعلیمات تھیں جن پر عمل پیرا ہوکر وہ ان فضائل سے متصف ہوئے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی امت کے صلحاء پر جو کرامات کا ظہور ہوا وہ بھی حضور ﷺ کا ہی معجزہ ہیں جیسے دعاوں کی فوری مقبولیت' کرامات کہ سب حضور ﷺ کی صداقت پر دلیل ہیں؛ کیونکہ اولیاء ان کرامات کے مستحق صرف اس وجہ سے ہوئے کہ وہ تعلیمات نبویہ ﷺ پر مضبوطی کیساتھ عمل کرتے تھے اور علمائے کلام تصریح فرماتے ہیں : کہ ولی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ ہے۔

فرقہ یہود کا نبوتِ حضورِ اکرم ﷺ کا بر بنائے عداوت اِنکار

استدلالِ یہود بر انکارِ شرعِ محمدی ﷺ : یہود نے عنادا نبی کریم ﷺ کی نبوتِ شریفہ کا اِنکار کیا ہے؛ کیونکہ جب معجزات سے حضور ﷺ کی صداقت کا ثبوت ہوا تو یہودیوں کو یہ برداشت نہ ہوا، نظر برآں وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے متعلق یہ دعاوی کرنے لگے کہ اُن کی شریعت ناقابلِ تنسیخ ہے؛ کیونکہ نسخ کا معنی ہے حکم سابق کو حکم لاحق سے ختم کر دینا۔

اور یہ باری تعالی کیلیئے محال ہے؛ کیونکہ یہ تبدیلی علم کی ناپختگی پر دلیل ہے اور یہ خود ایک باطل چیز ہے؛ کیونکہ بالاتفاق تمام علمائے اسلام و علمائے یہود اور علمائے نصاریٰ خدا کیلیئے علمِ کلی ازلی کے قائل ہیں۔ پس شرع محمدی ﷺ کو قبول کرنے کی صورت میں نسخ لازم آئیگا اور نسخ عقیدہ بداء پر دلالت کرتا ہے اور عقیدہ بداء باطل ہے یعنی ایک حکم اولا ظاہر ہو پھر اس سے بہتر حکم ظاہر ہو جائے یہ بداء کہلاتا ہے جو کہ خدا کے حق میں محال ہے۔

"یہودیوں کا رد بلیغ"

یہودیوں کا بر بنائے عدوات و دشمنی حضور ﷺ کی نبوت کا انکار سات وجوہ سے باطل و مردود ہے :

پہلی وجہ : نسخ اور بداء میں بُعد المشرقین (مشرق و مغرب کی دوری) پایا جاتا ہے؛ کیونکہ نسخ اگرچہ تبدیلی کے عنصر پر مبنی ہوتا ہے؛ لیکن ہر تبدیلی نسیان و بداء پر متفرع ہو یہ بداہت عقلیہ کے خلاف ہے؛ کیونکہ عرف عام میں ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنے غلام کو کسی کام کرنے حکم دیتا ہے اور غلام اسے اس کی مرضی کے مطابق سرانجام دیتا ہے اسی اثناء میں وہ اس غلام کو دوسرے کام کا حکم جاری کردیتا ہے۔ اس بات کا کسی کو انکار نہیں ہے پس باری تعالی فاعل مختار ہے اس پر یہ لازم نہیں کہ اپنے بندوں کو ایک ہی شریعت پر قائم رکھے بلکہ یہ تو اس کے اختیار کے منافی ہے۔ اختیار اس میں ہے کہ جس شریعت کو چاہے اپنے عباد پر لازم فرمادے اور جب چاہے اس کا لزوم اٹھادے۔ اگر فزکس اور میڈیکل کی نگاہ سے انسانی وجود میں تفکر کریں تو معلوم ہوگا کہ صدہا تبدیلیاں اس بدن میں واقع فرماتا ہے جیسے نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ پھر مضغہ سے جنین تک کے مختلف احوال تخلیق....

...خود ارشاد فرماتا ہے : (وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ، ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِيْنٍ، ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَاماً فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْماً، ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقاً آخَرَ، فَتَبٰرَكَ اللهُ أَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَبْعُوْثُوْنَ، ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ) —[المؤمنون : 16]

یعنی : بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اُسے پانی کی بوند کیا ایک مظبوط ٹھہراو میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر اُن ہڈیوں پر گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

اِسی طرح اگر نباتات (سر سبز اشیاء) کے اَحوال میں غور کیا جائے تو صدہا تبدیلیاں اُس میں نظر آتی ہیں جیسے باری تعالی آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اُس پانی کی کثرت سے نہریں چشمے بہتے ہیں، اور جب اُن کا پانی زرخیز زمین کو پہنچتا ہے تو اس سے مختلف پودے اُگتے ہیں جن کے رنگ وغیرہا دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں، پھر وہ جب پکنے لگتے ہیں تو اُن کے رنگ زرد ہوجاتے ہیں اور لوگوں کے لئے قابلِ انتفاع ہوجاتے ہیں۔

اِن سب تبدیلیوں کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب تبدیلیاں ایک بداء و بھول کا نتیجہ ہیں؟ تعالی اللہُ عَمَّـا یَصِفُوْنَ.

اسی طرح دن ورات کا بدلنا بھی عظیم تبدیلات سے ہے جس میں ہر آنِ لاحِق آنِ سابِق کی ناسخ ہے۔ اور یہ سب واحدِ قہّار عزوجل کی آیات ہیں اور اس کی قدرت کے مظاہر خود ارشاد فرماتا: (یَمْحُواْ اللہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ) – [الرعد: ۳۹]، یعنی: جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے، اور جسے چاہے ثابت رکھتا ہے

اور ارشاد فرمایا: (وَلَایُسْأَلُ عَمَّـا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ)

یعنی: خدا سے اس کے کئے پر سوال نہ ہوگا بلکہ ان سے سوال کیا جائیگا۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ شریعتِ موسیٰ علیہ السلام نے شریعتِ آدم علیہ السلام کے اَحکام کو بھی منسوخ فرمایا ہے جیسے تحصیلِ اولاد کیلئے بہنوں سے نکاح، لیکن شرعِ موسوی علیہ السلام میں اُسے منسوخ کردیا گیا پھر شرعِ موسوی علیہ السلام میں بروزِ ہفتہ شکار ممنوع تھا پھر شرعِ محمدی ﷺ نے اُسے منسوخ فرمادیا۔

تو معلوم ہوا کہ نفسِ شرع، ناسخیت و منسوخیت دونوں کو قبول کرتی، لہٰذا جس طرح شرعِ موسوی سے شرعِ آدمی ﷺ کے بعض اَحکام منسوخ ہوئے تو شرعِ موسوی ﷺ بھی شرعِ محمدی ﷺ سے منسوخ ہوگئی، چونکہ نبی اکرم محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور اب حضور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، لہٰذا ان کی شرع منسوخ بھی نہ ہوگی

۔

اور یہی وجہ ہے کہ علمائے اسلام نے اجماعا ارشاد فرمایا: جو حضور ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا اِمکان بھی بتائے کہ اگر بعد زمانہ نبوی ﷺ اگر کوئی نیا نبی آجائے تو خاتمیتِ محمدیہ ﷺ میں کوئی فرق نہ آئے گا، ایسا اعتقاد خالص کفر اور ایسا معتقِد پکا کافر و مرتد ہے اور جو اس کے کفر میں شک بھی کرے وہ بھی کافر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کا آنا ممتنع بالذات ہے اس مسئلہ کی تحقیق کیلئے حضرت علامہ مولانا الشیخ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ کی کتاب "امتناع النظیر" اور امام اہل سنت سیدنا امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی درج ذیل کتابیں ضرور ضرور مطالعہ کریں "اَلسُّوْءُ وَ الْعِقَابِ عَلَى الْـمَسِيْحِ الْكَذَّابِ" ، " قَهْرُ الدَّيَّانِ عَلٰى مُرْتَدٍّ بِقَادِيَانِ"، "اَلْـجُرَازُ الدِّيَانِيِّ عَلَى الْـمُرْتَدِّ الْقَادِيَانِيِّ، "جَزَاءُ اللهِ عَدُوَّهٗ بِإِبَائِهٖ خَتْمَ النُّبُـوَّةِ"-

مسئلہ امتناعِ النظیر کی جامع تقریر

سوال : بخاری شریف میں حدیث ہر قل سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور ﷺ خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہیں؛ کیونکہ آپکا خانہ تصویر سب خانوں کے آخر میں تھا جیسا کہ قول ہر قل (اِمااِنَّہ کان آخرالبیوت) سے واضح ہے۔ اور صحیح بخاری اور مسلم میں اس کی تصریح بھی بایں الفاظ وارد ہوئی کہ محبوب خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا : (اِنَّہ سیکونُ فی اِمتی کذّابون ثلثون، کلُّھم یزعم اِنَّہ نبیٌّ، واِنا خاتم النبیین لانبیَّ بعدی) یعنی عنقریب اس امت میں تقریبا تیس دجال کذاب نکلیں گے، ہر ایک ادعا کریگا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ بلکہ خود قرآن مجید فرماتا ہے : (مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ، وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا)

یعنی : محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

ان نصوص شرعیہ سے اتنا مستفاد ہوتا ہے کہ آپکے بعد دوسرا خاتم النبیین نہ ہوگا، اور دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپکے بعد دوسرا خاتم النبیین ممکن ہے یا نہیں یا بالفاظ دیگر دریافت طلب امر یہ ہے کہ آپکا ﷺ کا مثل ممکن ہے یا نہیں، اور شخص ممکن مانے اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب : ختم النبوت اسلام کا وہ عظیم الشان عقیدہ ہے جس پر ایمان کی صحت موقوف ہے بلکہ مذہب اسلام کی جان کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ دشمن اسلام عبداللہ ابن سبا یہودی کے مشن تھا کہ اس عقیدہ کو ٹھیس لگائے اور اس کے حواریوں نے اس عقیدہ کو ٹھیس لگانے کیلئے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ چنانچہ بعض مدعیان اسلام کو مال کی لالچ میں پھنسا کر ان سے امکان کذب کی بحث چھڑوادی کہ معاذ اللہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟، جس میں بعض اہل علم بھی لغزش کا شکار ہوئے۔ نظر برآں ضروری ہوا کہ اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے تحریر کردیا جائے تاکہ جملہ ناظرین خصوصا طلبہ وطالباتِ علم دین اہل باطل کے دام فریب سے محفوظ رہیں۔

تحقیق اہل سنت و جماعت کی روشنی میں سرورانبیا محبوب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کا مثل ممتنع بالذات ہے۔اس کی تفصیل سے پہلے دو مقدمات کو بطور تمہید جاننا ضروری ہے :

(1) : ممتنع بالذات کی تعریف کہ اس سے فہم جواب میں سہولت ہو گی۔ (2) : یہ کہ ممتنع بالذات تحت قدرت نہیں۔اس سے مخالفین کا دام فریب تار تار ہو جائے گا۔

پہلا مقدمہ تمہیدیہ

ممتنع بالذات : وہ مفہوم ہے جس کے مصداق کا وجود عقلا جائز نہ ہو جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین کہ ان میں سے ہر ایک کے مصداق کا وجود و تحقق عقل جائز نہیں رکھتی۔اور بلا غور و فکر بداہت کی وجہ سے حکم کرتی ہے کہ ان مصداق' موجود و متحقق نہیں ہو سکتا۔

ممتنع بالغیر : وہ مفہوم ہے جس کے مصداق کا وجود و تحقق عقلا درست ہو مگر کسی امر خارجی کی وجہ کے پیش نظر درست نہ ہو جیسے برمذہب فلاسفہ عقل اول کا عدم کہ ممتنع بالغیر ہے عقل اس کا تحقق جائز رکھتی ہے مگر جب یہ لحاظ کریں کہ عقل اول علت تامہ (واجب الوجود) کی معلول ہے تو جائز نہیں رکھتی؛ کیونکہ جائز وہ ہے جو کسی محال کو مستلزم نہ ہو اور عقل اول کا عدم محال یعنی عدم واجب الوجود کو مستلزم ہے؛ کیونکہ معلوم کا عدم علت تامہ کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے۔پس معلوم ہوا کہ عدم عقل اول میں امتناع فی نفسہ نہیں' بلکہ علت تامہ (واجب الوجود) کی معلولیت کی بناء پر آیا ہے۔اسی لئے ممتنع بالغیر ہے۔

برمذہب اہل سنت ابو جہل وابو لہب کا ایمان ممتنع بالغیر تھا اور وہ "غیر" اخبار الہیٰ ہے جس کے متعلق بعدم ہونے سے امتناع آیا ورنہ فی نفسہ ممکن ہے۔اسی لئے یہ دونوں اس کے ساتھ مکلّف تھے' ورنہ ممتنع بالذات کیساتھ تکلیف واقع نہیں ہوئی کما فی "مسلم الثبوت" و "التلویح"۔

تنبیہ ! آجکل طلبہ بلکہ اساتذہ کی زبانوں پر ممتنع بالذات کی تعریف بایں طور جاری ہے کہ جس چیز کی ذات امتناع کا تقاضا کرے اس کو ممتنع بالذات کہتے ہیں۔ یہ تعریف غلط ہے؛ کیونکہ اس کی ذات متحقق ہی کہاں حتی کہ امتناع کا تقاضا کرے !

دوسرا مقدمہ تمہیدیہ

ممتنع بالذات یا بالفاظ دیگر محال بالذات زیر قدرت نہیں اور انکے مقدور نہ ہونے سے قادر مطلق جل مجدہ کا عجز لازم نہیں آتا جیسے کہ بد مذہب فریب دیا کرتے ہیں بلکہ محالات کا دائرہ قدرت سے خارج رہنا عین کمال ہے۔ اگر محالات کو مقدور مانا جائے تو قادر مطلق عزوجل کے وجوبِ ذاتی سے ہاتھ دھو بیٹھنا پڑیگا جس کے نتیجے میں یہ بات آئیگی کہ قادر مطلق عزوجل عالم کا خالق نہیں؛ کیونکہ جب وجوب ذاتی منتفی ہوا تو قادر مطلق عزوجل یا تو ممکن ہوگا یا ممتنع۔ ممکن کی شان سے افاضہ وجود نہیں بلکہ وہ خود اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہوتا ہے تو ممتنع کیسے ہو سکتا ہے کما فی الاصول۔

دلیل یہ ہے کہ اگر محال اگر مقدور ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو ہر ہر محال مقدور ہوگا یا بعض محالات مقدور ہونگے اور بعض نہ ہونگے۔ یہ دوسری صورت ترجیح بلا مرجح کو مستلزم ہے اور ترجیح بلا مرجح باطل اور جو باطل کو مستلزم ہو وہ باطل ہے۔ تو دوسری صورت باطل ہوئی۔

اور پہلی صورت اس لئے باطل ہے کہ جب ہر ہر محال مقدور ہوگا تو محالات میں سے ایک محال قادر مطلق (واجب الوجود) کی فناء بھی ہے تو یہ بھی مقدور ہوئی اور جب اس کی فناء مقدور ہوئی تو وہ واجب بالذات نہ رہا کہ جس کی فناء مقدور ہو وہ ممکن ہوتا ہے نہ کہ واجب بالذات؛ کیونکہ واجب بالذات وہ موجود ہے جس کی فناء ممکن نہ ہو۔ پس بحمدہ تعالی ثابت ہوا کہ ممتنع بالذات زیر قدرت نہیں۔

دغدغہ شیطانیہ مع لطمۃ رحمانیہ

سوال : قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے : (إِنَّ اللہ علی کل شیء قدیر) یعنی : اللہ تعالی ہر شی پر قادر ہے۔اور **ممتنع** بالذات بھی ایک شئ ہے تو اس پر بھی قادر ہوا، پھر یہ کہنا کس طرح درست ہے کہ **ممتنع** بالذات پر قادر نہیں۔

جواب : اس مقام پر آیت مذکورہ کو پیش کرنا باطل پرستوں کا فریب اور مغالطہ ہے جس سے بھولے بھالے کم فہم انسانوں کو گمراہ کیا کرتے ہیں۔آیت سے یہی تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالی ہر شی پر قادر ہے اور **ممتنع** بالذات تو شی نہیں بلکہ وہ لا شیء ہے اور آیت شئ پر قدرت کا اثبات کر رہی ہے نہ کہ لا شی پر اور شئ موجود کو کہتے ہیں اور **ممتنع** بالذات موجود نہیں پھر اس پر اثبات قدرت کس طرح ہو گیا۔

شرح العقائد النسفية للتفتازاني قدس سرہ میں فرمایا : (اَلشَّيْءُ عِنْدَنَا هُوَ الْـمَوْجُوْدُ) اہل سنت کے نزدیک شئ موجود کو کہتے ہیں۔ان دونوں باتوں کو ذہن نشین کرنے کے بعد جواب کی تقریر سنئے۔

جواب کی تقریر

اوصاف (صفات) دو قسم پر ہیں :

(1) : اول وہ وصف جس کے موصوف کا تعدد عقل جائز رکھتی ہے پھر یہ دو قسم پر ہے :

(1) : وہ اوصاف جس میں اشتراک واقع ہے اور اس کے موصوف بکثرت متحقق ہیں جیسے بشریت، عربیت، ہاشمیت، نبوت، رسالت وغیرہ اوصاف جو کثیرین میں مشترک ہیں۔اس قسم کے اوصاف کے اعتبار سے آپ کا مثل متحقق ہے۔

(2) : وہ وصف جس میں اشتراک واقع نہیں جیسے سیدنا عبداللہ و حضرت آمنہ رضی اللہ تعالی عنہما کا بیٹا ہونا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا شوہر ہونا، رحمت للعالمین ہونا، منزل علیہ القرآن ہونا، جسمانی معراج ہونا وغیرہ اوصاف جو آپ ﷺ کیساتھ مخصوص ہیں اور ان میں اشتراک واقع نہیں ہوا۔ایسے اوصاف میں آپ ﷺ کا مثل ممکن ہے واقع نہیں اور نہ ہوگا۔

(2) : وہ وصف جس کے موصوف کا تعدد عقلا جائز نہیں جیسے اول مخلوق ہونا، اول مومن ہونا، بروز قیامت اول شافع ہونا، اول مشفع ہونا، خاتم النبیین ہونا، ان میں سے ہر ایک وصف کا موصوف ایک ہی ہو سکتا ہے، متعدد ہونا ممکن نہیں؛کیونکہ اولِ مخلوق ہونے کا معنی یہ ہے وہ ذات واحدہ جو تخلیق میں اپنے جمیع ماسوا پر سابق ہو، اول شافع ہونے کا معنی ہے وہ ذات واحدہ جو بروز قیامت سفارش کرنے میں اپنے جمیع ماسوا پر سابق ہو، اور اول مشفع ہونے کا معنی ہے کہ وہ ذات واحدہ جو بروز قیامت سفارش مقبول ہونے میں اپنے جمیع ماسوا پر سابق ہو، خاتم النبیین کے معنی ہیں وہ ذات واحدہ جو تمام انبیاء سے متاخر ہو۔چونکہ یہ اوصاف آپ ﷺ کیلئے ثابت ہیں اور عقل ان کے موصوف کا تعدد جائز نہیں رکھتی۔اس لئے ان میں آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے۔علمائے اہلسنت ایسے ہی اوصاف کے اعتبار سے آپکے مثل کو ممتنع بالذات فرماتے ہیں۔انہوں نے اوصاف قسم اول میں مثل کے امکان کی نفی نہیں فرمائی، نہ ان سے یہ متصور بلکہ کوئی جاہل سے جاہل بھی نہیں کہہ سکتا

؛کیونکہ قرآن کریم وصف بشریت میں مثل کا اثبات فرمارہا ہے : (قُلْ اِنَّمَـا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ) اور وصفِ بشریت اوصاف کی قسم اول سے ہے اور اس میں مثل کی نفی سے قرآن کا انکار ہو جائے گا جو کفر ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ قسم دوم کے اوصاف مذکور میں آپ کا مثل ممتنع بالذات ہے تو اب ہم ان کے شرعی حکم کا تفاوت بیان کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے پہلے چار اوصاف میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے والا گمراہ ہے؛ کیونکہ یہ چاروں اوصاف آپ ﷺ کیلئے حدیث غیر متواتر ظنی سے ثابت ہیں اور ان چاروں اوصاف میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے سے حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار لازم آئیگا اور حدیث غیر متواتر ظنی کا انکار گمراہی ہے کفر نہیں۔ اور پانچویں وصف (خاتم النبیین) میں مثل کو ممکن اعتقاد کرنے سے قرآن قطعی کا انکار لازم آئیگا اور قرآن قطعی کا انکار کفر ہے۔

اسی لئے امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی اپنی کتاب اَلْـمُعْتَمَدُ فِي الْـمُعْتَقَدْ میں فرماتے ہیں:

(وآنکس کہ گوید کہ بعد از دے نبی دیگر بود ہست یا خواہد بود وآنکس کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافراست' ایں است شرط درستی ایمان بخاتم انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ)

ترجمہ : اور جو شخص کہے کہ ممکن ہے کہ ہو (ان میں سے ہر ایک) کافر ہے۔ خاتم الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ وعلیہم الصلاۃ و السلام پر ایمان درست ہونے کی شرط یہ ہے (کہ آپکے بعد دوسرے نبی کے امکان کی نفی کرے اور اس کو ممتنع بالذات مانے)؛ کیونکہ ممکن اعتقاد کرنے سے آیت کریمہ (وَلٰکِنْ رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ) کا انکار لازم آئیگا جو کفر ہے۔

التجاء : طلبائے اہل سنت اس تقریر کو ذہن نشین کرلیں؛ تاکہ اہل باطل کے دام تزویر سے خود محفوظ رہ سکیں اور دوسروں کو بھی محفوظ رکھ سکیں۔

تیسری وجہ : یہ ہے کہ سیدنا موسیٰ ﷺ نے حضور پر نور ﷺ کی بعثت کی خبر دی' لہٰذا یہود پر لازم تھا کہ اپنے نبی علیہ السلام کی اِتباع کا ثبوت دیتے ہوئے حضور ﷺ کی تصدیق کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا' حالانکہ حضور ﷺ کی بعثتِ مبارکہ سے پہلے وہ حضور ﷺ کی خبریں دیتے تھے جیسا کہ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

(وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا) [البقرة : ٨٩]

یعنی : یہود اس سے پہلے اس نبی کے وسیلے سے کافروں کے خلاف فتح مانگتے تھے۔

اور کثیر یہود نے بھی اِس کا اعتراف کیا' ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور نجاتِ ابدی کے مستحق ٹھہرے جیسے سیدنا عبداللہ بن سلّام اور سیدنا کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ' ان میں سے بعض کو حسد اور قضاء بر شقاء نے ایمان لانے سے روک دیا اور عقاب ابدی کے مستحق ہوئے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

(وَالَّذِيْنَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُوْنَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ).

یعنی : اور وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا کی وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے رب کے پاس سے حق کیساتھ اتاری گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا حضور ﷺ کو مکمل پہچان لینے کے باوجود بھی ان کے انکار پر توبیخ فرمائی ہے۔

چنانچہ فرمایا : (يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللهِ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ، يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ) [آل عمران : ٧٠-٧١].

یعنی : اے اہل کتاب ! تم نے خدا تعالیٰ کی نشانیوں کا اِنکار کیوں کیا؟ حالانکہ گواہی دیتے ہو' اے اہل کتاب تم نے حق کو باطل کیساتھ کیوں ملایا اور تم حق کو چھپا رہے ہو حالانکہ تمہیں معلوم ہے۔

چوتھی وجہ : یہ ہے کہ دینِ اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ درس دیتا ہے کہ جس طرح وہ نبی اکرم رحمت دوعالم ﷺ پر ایمان لائے ہیں اِسی طرح وہ حضراتِ موسیٰ و عیسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام پر ایمان لائیں اور ان کی تصدیق کریں بلکہ ہمارے قرآن مجید نے بھی مبارک ہستیوں اور ان پر نازل کردہ کتب جیسے تورات و انجیل کی تصدیق فرمائی ہے .برخلاف یہود کا محرف دین کہ صرف بعض انبیاء پر ایمان کا متقاضی ہے باقی کا نہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا اور کئیں انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو شہید کردیا - معاذ اللہ ۔ اور شک نہیں کہ کل پر ایمان لانا بعض پر ایمان لانے اور تکذیب کرنے سے بہتر ہے۔

اللہ تعالی کے ارشاد : (قولوا آمَنّا بِاللهِّ وَما أُنزِلَ إِلَينا وَما أُنزِلَ إِلىٰ إِبراهيمَ وَإِسماعيلَ وَإِسحاقَ وَيَعقوبَ وَالأَسباطِ وَما أوتِيَ موسىٰ وَعيسىٰ وَما أوتِيَ النَّبِيّونَ مِن رَبِّهِم لا نُفَرِّقُ بَينَ أَحَدٍ مِنهُم وَنَحنُ لَهُ مُسلِمونَ) – [البقرة :١٣٦].

ترجمہ : کہو ہم اللہ تعالی پر اور جو احکامات ہماری طرف اتارے گئے اور جو احکامات حضرت ابراہیم و اسماعیل و یعقوب اور انکے بیٹوں کی طرف اتارے گئے اور جو حضرت موسیٰ و عیسی کو اور ان سے نبیوں کو دیا گیا ان کے رب کی طرف سے۔ ہم ان میں کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم ان نازل کردہ پر گردن بچھانے والے ہیں۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔

پانچویں وجہ : یہ ہے کہ ادیان ثلاثہ یہود و نصاری اور عرب کا سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہم الصلاۃ والسلام کی تعظیم و عزت پر اجماع ہے۔ اور دین اسلام وہ دینِ ابراہیم ہی ہے لہٰذا اس کی اتباع واجب ہے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا : (مِلَّةَ أَبِيْكُمْ إِبْرَاهِيْمَ) [الحجّ:۷۸] ، یعنی تمہارے والد یعنی ابراہیم علیہ السلام کا دین۔

اور ارشاد فرمایا : (يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِي إِبْرَاهِيْمَ وَمَا أُنْزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالْإِنْجِيْلُ إِلَّا مِن بَعْدِهِ) [آل عمران :۶۵]۔

یعنی : اے اہل کتاب ! تم حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ توریت اور انجیل تو ان کے بعد ہی اتری ہیں۔

چونکہ یہود یہ سوچتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام معاذ اللہ یہودی تھے اور نصاریٰ یہ سوچتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام نصرانی تھے اور نہ ہی وہ بت پرست تھے تو باری تعالی نے ان سب کے اس ظنون فاسدہ کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا : (مَا كَانَ إِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا، وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفاً مُّسْلِماً وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) [آل عمران:۶۷]

یعنی : ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ ہی نصرانی اور بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے .

چھٹی وجہ : اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ نے اپنے دین میں زبردست تحریفات کیں حتی کہ حق کو باطل اور باطل کو حق کردیا' انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو شہید کیا اور اُن کی تکذیب کی اور اللہ تعالی کیساتھ غیر اللہ (بتوں) کی عبادت کرنا شروع کردی اور اللہ تعالی کی جناب میں وہ باتیں کہیں جو شانِ اُلوہیت کے صریح منافی تھیں اور اس تحریف کے سبب ان کے دین میں زبردست قسم کا اختلاف ہوا۔ جب یہ نافرمانیاں حد سے تجاوز کرگئیں تو اللہ تعالی نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا جس کی وجہ سے ان میں کچھ خنزیر اور بندر بن گئے۔

اللہ تعالی نے نبی آخر الزمان ﷺ کو تمام مخلوقات جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا اور اس بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جن باتوں میں یہودی ونصاریٰ کے اختلافات ہوئے یہ نبی ﷺ انہیں کمالِ توضیح کیساتھ بیان فرمادیں؛ تاکہ وہ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آئیں' لیکن وہ بجائے اس کے کہ وہ حضور ﷺ کو مانتے' انہوں نے دینِ مصطفوی ﷺ کا ہی انکار کردیا اور دائمی عذاب کے مستحق ہوئے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

(إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ وإِنَّه لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ) یعنی: بلا شبہ یہ قرآن بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں ذکر فرماتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔اور بیشک یہ مسلمانوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

(يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْراً مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ) [المائدة:١٥]

یعنی: اے اہل کتاب! بلاشبہ تمہارے پاس ہمارے رسول آئے وہ تم پر بہت سی وہ چیزیں ظاہر فرماتے ہیں جو تم نے (اللہ کی) کتاب سے حذف کرڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرمادیتے ہیں' بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آگیا اور ایک روشن کتاب۔

ساتویں وجہ : بفرضِ محال اگر اہل یہود کیلئے آخرت میں سعادت ہوتی تو وہ موت کی تمنا کرتے تاکہ جلدی سے اس سعادتِ اُخرویہ کو حاصل کرسکیں، لیکن حال تو یہ ہے نہ کبھی انہوں نے مرنے کی خواہش کی اور نہ ہی کبھی کریں گے ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا دین یہود کی حقیت کا ادعاء باطل ہے۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا : (قُلْ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُاْ الْـمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ) [الجمعة :٦-٧].

یعنی : آپ فرمادو : اے یہودیوں ! اگر تم سمجھتے ہو کہ تم اللہ کے قریب ہو، لوگ نہیں، تو موت کی آرزو کرو، اگر تم سچے ہو۔

آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہے کہ اگروہ یہود حصولِ قُرب کیلئے موت کی تمنا کرلیتے تو ضرور مرجاتے اور ایک بزرگ نے فرمایا : عدم تمنا حضور ﷺ کا ایسا معجزہ تھا کہ جو حضور ﷺ کی ظاہری وصال تک باقی رہا۔

بعض جاہل یہودی نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان کی بعثت صرف اہل عرب کیلئے ہوئی" یہ قول بھی مردود ہے؛ کیونکہ تناقض پر مبنی ہے وجہ یہ کہ جب حضور ﷺ کو نبی مانا تو ان کی تصدیق یہود پر لازم ہوئی اور جملہ احکامات حضور ﷺ میں یہ بھی ہے وہ جمیع مخلوقات کی طرف مبعوث کئے گئے ہیں۔

"منکرین نبوتِ حضور پر نور ﷺ کا رد"

بعض یہود' سید الانبیاء ﷺ کی نبوت کے منکر ہیں؛کیونکہ وہ عربی ہیں اور جبکہ بنی اسرائیل عجمی ہیں۔ شک نہیں کہ یہ بھی تین وجوہ سے کھلی جہالت ہے :

پہلی وجہ : یہ ہے کہ اللہ تعالی مختار کل ہے جس قوم میں سے چاہے جس کو چاہے نبی بنادے باری تعالی ارشاد فرماتا ہے :

(اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ) [الأنعام : ١٢٤]. یعنی اللہ زیادہ جانتا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھے۔

اور یہ معلوم ہے کہ نبوت اللہ کی رحمتوں میں سے سب سے بڑی رحمت ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے اسے خاص فرمالیتا ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا : (وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ) یعنی اور اللہ اپنی رحمت کیساتھ جسے چاہتا ہے خاص فرمالیتا ہے۔

دوسری وجہ : یہ ہے کہ عرب میں دیگر انبیائے کرام علیہم الصلاۃ و السلام مبعوث ہوئے جیسے سیدنا ہود ' سیدنا صالح علیہ السلام اور سیدنا شعیب علیہ السلام۔ اور انہیں یہودیوں نے مانا لیکن تعجب ہے ان کی عقول پر کہ رسول عربی ﷺ کو کیوں جھٹلایا !

تیسری وجہ : یہ کہ حضور ﷺ أُمِّيْ تھے یعنی آپ کا دنیا میں کوئی استاد نہ تھا لیکن اس کے باوجود تمام علوم تعالی کی طرف سے آپ ﷺ کو حاصل تھے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء زبان مبارک سے ایک لفظ سن کر ایسے ساکن و مسحور ہو جاتے کہ مقابلہ تو دور کی بات آپکی شاگردی پر فخر کرتے تھے۔ اور شک نہیں کہ یہ حضور ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ پر قرآن کریم نازل ہوا ہے' اور قرآن کریم میں ہر خشک و تر چیز کا بیان ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ جس پر قرآن کریم نازل ہوا ہو اسے ہر خشک و تر کا علم ہی نہ ہو ورنہ لازم آئیگا؛ کہ اللہ تعالی وحی کے افہام پر قادر نہیں۔

تیسری فصل

ملائکہ اللہ تعالی کی فرمانبردار مخلوق

مخفی نہ رہے کہ فرشتے اللہ تعالی کی بزرگ مخلوق ہیں، جو ہر وقت خدا کی عبادات میں مصروف ہیں، بعض فرشتے جب سے پیدا کئے گئے ہیں اس وقت سے ہی حالت رکوع میں ہی ہیں اور اسی طرح کوئی حالت سجدہ میں، تو کوئی حالت قیام میں۔

الغرض اللہ تعالی نے فرشتوں کی حقیقت میں ہی عصمت عطا فرمائی ہے جو خدا تعالی حکم فرماتا ہے تو وہ کام کرتے ہیں اور جس سے خدا نے روک دیا وہ کام کبھی نہیں کرتے۔ اللہ تعالی نے اپنی اس مبارک مخلوق کی شان بیان کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: (بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُوْنَ) [الأنبياء:٢٦]۔

یعنی: وہ فرشتے عزت یافتہ بندے ہیں۔

اسی طرح ان کا خوفِ خدا بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُوْنَ) [الأنبياء:٢٧]، یعنی وہ اس کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔

اور ان کی امتثال اوامر اور اجتناب نواہی ثابت قدمی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: (وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ ط وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (١٠) يُسَبِّحُوْنَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ)[الأنبياء:١٩-٢٠].

یعنی: اس کے پاس والے اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں، رات دن اس کی پاکی بولتے اور سستی نہیں کرتے۔

اللہ تعالی نے مختلف فرشتوں کی مختلف کاموں پر ڈیوٹی لگائی ہے جس کے وہ پابند ہیں، بعض فرشتوں کو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی طرف وحی لے جانے پر مامور فرمایا گیا ہے، بعض کو مخلوق کی روحوں کو نکالنے پر مامور فرمایا گیا ہے، اور بعض کو انسانوں کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہے، اور بعض کو بارش برسانے پر، بعض کو رزق پہنچانے پر، اس کے علاوہ دیگر ذمہ داریاں

جن کا علم خدا تعالی کے علاوہ کسی کو نہیں اور اس کی عطا و اجازت سے اس کے پیارے بندے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جانتے ہیں۔

اللہ تعالی کے ان ملائکہ پر ایمان لانا واجب ہے؛ کیونکہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَمَن يَكْفُرْ بِاللهِ وَمَلاَئِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلاَلاً بَعِيْداً) [النساء: ١٣٦].

یعنی اور جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اسکے رسولوں اور آخری دن (قیامت) کا انکار کرے تو تحقیق بڑی دور کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔

اور فرشتوں کے وُجود پر وجوبِ ایمان کا سبب یہ بھی ہے کہ سیدی رسول اللہ ﷺ سے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایمان کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے فرمایا: (أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلاَئِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ، حُلْوِهِ وَمُرِّهِ) [صحيح المسلم، كتاب الإيمان].

یعنی: ایمان یہ ہے کہ تو خدا کے وجود پر، اور اس کے فرشتوں کے وجود پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے تمام رسولوں پر، اور آخرت کے دن پر، اور یہ کہ تو اچھی اور بری تقدیر میٹھے اور کڑوے فیصلوں پر ایمان لاو۔

چوتھی فصل

حضرتِ سیدنا ابو بکر صدیق، حضرتِ سیدنا عمر فاروق، حضرتِ سیدنا عثمان غنی، اور حضرتِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالی عنہم آئمہ عدل وصداقت اور اہل وفاء وامانت ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یکے بعد دیگرے منصبِ خلافت پر اپنے شرعی استحقاق کی وجہ سے جلوہ نشین ہوئے۔ جس طرح ہم نے ان کے ناموں کی ترتیب بتائی ہے اِسی طرح ان میں افضلیت کی بھی ترتیب ہے۔

فائدہ: اس مقام پر بعض بے علم افراد "**افضلیت**" اور "**فضیلت**" کے فرق کو فراموش کر کے حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ کو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ سے افضل قرار دیتے ہیں، طلبائے علم ودانش کو اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے؛ تاکہ اِن حضرات کے دامِ تزویر سے محفوظ رہ سکیں

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ افضلیت کثرتِ ثواب کو کہتے ہیں یعنی جس کا ثواب بارگاہِ الہٰی میں سب سے زیادہ ہوگا وہ ہی افضلیت کا مستحق ہوگا۔ اور معلوم بات ہے کہ تمام مخلوقات کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے:

(1): حواسِ خمسہ۔ (2): خبرِ صادق۔ (3): عقلِ سلیم۔

اور شک نہیں کہ کسی کے ثواب کی کثرت نہ حواسِ خمسہ (five senses) سے معلوم ہوسکتی ہے؛ کیونکہ ثواب کوئی مادی چیز نہیں جسے دیکھا جاسکے اور چھوا جاسکے اور نہ ہی افضلیت کا معیار عقلِ انسانی ہے؛ کیونکہ تحقیق سے ثابت ہے کہ اس کا دائرہ محسوسات سے باہر نہیں اور ثواب محسوس چیز نہیں تو عقل اس کی ماہیت کو کیسے ادراک کرسکتی ہے؟۔

تو معلوم ہوا کہ افضلیت کی معرفت صرف اور صرف نبی علیہ السلام کی دی جانے والی خبر ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اور فضیلت کہتے ہیں کسی ظاہری و باطنی خوبی جیسے کثیر علم والا ہونا، کثیر حلم والا ہونا، کثیر شجاعت کا حامل ہونا، کثیر عبادات کرنے والا ہونا، وغیرہا اوصاف کہ ان کا ادراک عقل و حواس سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم جو جانتے ہیں وہ فضیلت ہے نہ کہ افضلیت۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ "افضلیت" ثواب کی کثرت کو کہتے ہیں جو کہ نبی ﷺ کی خبر سے معلوم ہوتی ہے۔ برخلاف "فضیلت" اوصاف حسنہ کو کہتے ہیں جو کہ حواس خمس، عقل، خبر نبی ﷺ سے معلوم ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی تقدیمِ خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہے، اور نبی کریم ﷺ نے بھی آپ کی خلافت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضور ﷺ کی بارگاہ مبارکہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ اگر میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ ﷺ کی زیارت نہ ہوسکے[21] تو میں کیا کروں؟

تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے ارشاد فرمایا: (فَإِنْ لَمْ تَجِدِيْنِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ) یعنی: اگر آپ مجھے نہ پاسکو تو ابو بکر کے پاس جانا۔

فائدہ: ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ دینی امور میں حضور ﷺ اپنا خلیفہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو قرار دے رہے ہیں تو دنیاوی امور میں تو بدرجہ اولی مقدم ہیں؛ کیونکہ دین دنیا سے افضل ہے،

اسی طرح حضور ﷺ نے ایامِ مرض میں خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو خود رسول اللہ ﷺ نے امامت کیلئے آگے بڑھادیا، جس سے ان کی شانِ جلالت ٹپکتی ہے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ نے خلیفہ مقرر کیا اور تمام مسلمانوں بشمول حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اس پر اجماع واقع ہوا، اور کیوں نہ ہوتا! کہ رسول اللہ ﷺ نے خود سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت مبنی بر عدل وصداقت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

---

(1): سیدنا محمد بن جبیر رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: کہ سائلہ عورت کا مقصد اس جملے سے حضور ﷺ کی وفات شریفہ تھی۔

چنانچہ امام ترمذی حضرت سیدنا حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے ارشاد فرمایا: کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ((إِقْتَدُوْا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِيْ: أَبِيْ بَكْرٍ، وَعُمَرَ)). یعنی میرے ظاہری وصال کے بعد دو افراد کی اتباع کرو اول حضرت ابو بکر اور دوم حضرت فاروق اعظم، رضی اللہ تعالی عنہما۔

اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کو حضرت سیدنا فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی مرتب کردہ مجلس شوریٰ نے سیدنا فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے وصال کے بعد خلافت کیلئے مسلمانوں کی متفقہ رائے کیساتھ منتخب فرمایا تھا۔ پھر عبد اللہ ابن سبا یہودی لَعَنَہُ اللہُ تَعَالٰی کی کے ناپاک مشن کی وجہ سے بلوائیوں لَعَنَہُمُ اللہُ تَعَالٰی نے آپ کو ظلما شہید کردیا۔ آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی مدد کیلئے سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کو بھیجا تھا'

ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک فتنہ کا ذکر فرمایا' اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں فرمایا: يُقْتَلُ فِيهَا هٰذَا مَظْلُوْمًا یعنی اس فتنہ میں عثمان (رضی اللہ تعالی عنہ) ظلما شہید کیے جائیں گے۔

اور سیدنا علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم جن کی شان جلالت اور انکے کمالات صوریہ و معنویہ میں کسی مسلمان کو شک نہیں ان میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ آپ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم رسول اللہ ﷺ کے سسرالی قرابت داروں میں سے تھے ' بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم ہی ہیں میدان علم ہو یا میدان شجاعت یا معاملہ عبادت ہو یا اسکے علاوہ کوئی میدان ہر جگہ آپ شہسوار ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے آپ کی خلافت پر اجماع کرلیا' اور آپ کے حکم کے مطیع ہوگئے ' اور جس نے آپ کی مخالفت کی وہ کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ان کے اجتہادی علل موجود تھیں۔

اسی طرح سیدنا امیر المومنین خال الامۃ سیدنا معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ تعالی عنہما اور دیگر صحابہ اور حضرت مولی مشکل کشا کرم اللہ تعالی وجہہ اور دیگر صحابہ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے تو اس میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے۔

اور اگر مان لیا جائے تو اہل اسلام پر واجب ہے وہ اس سے کف لسان کرے ' اللہ تعالی پر معاملہ چھوڑتے ہوئے مکمل سکوت اختیار کرے ورنہ انجام اچھا نہ ہوگا؛ کیونکہ اللہ تعالی اور رسول اللہ ﷺ نے جنہیں رحمت ورضوان کا پروانہ عطا فرمادیا تو کسی مخلوق کو کیا مجال کہ خالق کے فیصلہ پر طعن کرے اور اہل رضا کی جناب میں ہلکی بات کرے پھر قرآن کریم میں بلا استثناء تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کو رضا عطا فرمادی ارشاد ہوا: (رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ) [البيِّنة :٨].

اور ارشاد فرمایا: (مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ، وَالَّذِيْنَ مَعَهُ، أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ) [الفتح:٢٩] یعنی محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں' اور جوانکے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔

اور ارشاد فرمایا: (وَالسَّابِقُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنِ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِأَحْسَنِ رَّضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ) [التوبة :١٠٠].

یعنی بے شک مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین اور دوسرے وہ جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والے ہیں ان سب سے اللہ راضی ہوا اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔

یہ قرآنی اِرشادات کلام الہیٰ ہیں' اور کلام الہیٰ قدیم ہے اور قدیم وہ ہے جو ہمیشہ سے ہمیشہ رہے تو معلوم ہوا کہ یہ رضا اور یہ مناقب وشرف جو صحابہ کرام کو حاصل ہے یہ تو ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اللہ تعالی کے علم ازلی میں ان نفوس قدسیہ کو حاصل تھا۔

اب سوچنا یہ کہ علیم حکیم رب تعالی تو انہیں تکریم وتعظیم دے اور کچھ گمراہ ان کی توہین کریں' تو اب کس کی مانی جائیگی؟ خدا کی یا اس کی مخلوق کی؟

نبی ﷺ کا ہر ہر صحابی جنتی ہے یہی عقیدہ صحابہ وآئمہ دین امام اعظم وامام شافعی و امام مالک وامام احمد بن حنبل اور جمیع اولیائے امت کا رہا ہے۔ لہٰذا ہمیں تعلیم یہ ہے کہ جب بھی کسی صحابی کا تذکرہ ہو تو خوبصورت انداز میں کیا جائے' عقلا بھی تعظیم صحابہ واجب ہے؛ کیونکہ یہ صحابہ ہی ہیں جن کے واسطے سے ہمیں دین ملا ہے' لہٰذا یہ ہمارے محسن ہوئے اور احسان کا بدلہ توہین نہیں ہوتا۔

(السَّمْعِيَّات/ اُمورِآخِرت)

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ: فِي إِثْبَاتِ الْـمَعَادِ.

(بعد از فناء محشور (اُٹھائے) جانے کا بیان)

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر وہ امرِ ممکن جس کی تصدیق نبی ﷺ نے دی ہو اُس کی تصدیق واجب ہے؛ کیونکہ نبی کی صداقت جب معجزہ سے ثابت ہو جائے تو اس کا کلام یا تو سب مانا جائے یا بعض مانا جائے اور بعض کا انکار کر دیا جائے۔ بعض مانا جائے اور بعض نہ مانا جائے یہ ترجیح بلا مرجح اور تخصیصِ بلا دلیل ہے' اور تخصیصِ بلا دلیل مردود ہے لہٰذا پہلا احتمال ہی متعین رہا۔ نیز امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی قدس سرہ العالی نے اہلِ قُدس کیلئے رسالہ " اَلْقَوَاعِدُ الْقُدْسِيَّةُ" تحریر فرمایا جو کہ احیاء العلوم کی جلد اول میں بھی موجود ہے اور امام ابن الہمام رحمہ اللہ تعالی نے اسی کی شرح "مسایرہ" کے نام سے اپنے اضافات کیساتھ فرمائی ہے' اس میں آپ نے باب سمعیات کے ثبوت کیلئے ایک قاعدہ کلیہ دیا ہے وہ یہ ہے کہ سمعی چیز اگر امرِ ممکن ہے تو اُس کی تصدیق کی جائے' اور تمام امورِ سمعیہ کا مدار اِسی قاعدہ پر ہے۔ اب مردوں کا زندہ ہونا اور برائے حساب و کتاب میدان محشر میں پیش ہونا' ثواب و عقاب کا ترتب وغیرہا سب اُمورِ ممکنہ ہے اور ہر ممکن باری تعالی کا مقدور ہے۔

حشر الاجسام کا بیان

حشر اجسام یعنی مرنے کے بعد میدان محشر میں جمع ہونا ایک اسلامی عقیدہ ہے جس پر ایمان لانا فرض ہے۔اور مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق حشر اجسام بھی امر ممکن ہے۔اس کی امکانیت کے ہوتے ہوئے کسی دلیل کی حاجت نہیں ہے لیکن علمائے علم الکلام نے تبرعا اس کے دلائل ذکر فرمائے ہیں،ان میں تین دلیلیں ذکر کی جاتی ہیں :

پہلی دلیل : اللہ تعالی جس طرح اشیاء کو فناء کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ انہیں فناء کرکے پھر سے اُٹھانے پر بھی قادر ہے جس طرح جب وہ اشیاء معرض وجود میں نہ تھیں اُس وقت بغیر کسی تمثال ومثال کے اُس نے اِن اشیاء کو پیدا فرمایا تھا، جیساکہ قرآن حکیم میں باری تعالی ارشاد فرماتا ہے :

(قُلْ يُـحْيِيهَا الَّذِيْ أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ) [يسين:٧٩]

یعنی : آپ فرمادو! کہ وہ ہی انہیں زندہ فرمائے گا جس نے انہیں سب سے پہلے بنایا۔

اورارشاد ہوا : (أَيَـحْسَبُ الإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى (36) أَلَـمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَنِيٍّ يُّمْنٰى أَ لَيْسَ ذٰالِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيَ الْـمَوْتٰى)[القيامة : ٣٦-٣٧].

یعنی : کیا انسان یہ سوچتا ہے کہ اسے آزاد چھوڑ دیا جائے گا، کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جسے گرایا جاتا ہے۔کیا وہ رب عظیم اس پر قادر نہیں کہ وہ مردوں کو زندہ فرمادے؟

اورارشاد ہوا : (وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْـخَلْـقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ) [الروم :٢٧].

یعنی : اللہ ہی ہے کہ جس نے سب سے پہلے مخلوق کو بنایا پھر کچھ مدت بعد اسے لوٹائے گا اور یہ لوٹانا اس پر آسان ہے۔

دوسری دلیل : یہ ہے کہ اللہ تعالی آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اور معلوم بات ہے زمین اور آسمان کا وجود مخلوقات میں سب سے بڑا ہے، تو جب وہ ربِ قدیر اس بڑی چیز کو پیدا کرنے پر قادر ہے تو وہ چھوٹی چیز کو پیدا کرنے پھر انسانوں کو پیدا کرنے کے بعد انہیں موت دینے اور موت کے بعد انہیں اٹھانے پر کیوں قادر نہ ہوگا ؟ اسی لئے باری تعالی نے ارشاد فرمایا :

(أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلَى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰى)

[الأحقاف:٣٣].

یعنی : کیا انہوں نے نہ سوچا کہ اللہ کہ جس نے آسمانوں اور زمینوں اور وہ ان کے بنانے سے نہ تھکا، (کیا) وہ مردوں کو (پھر) زندہ کرنے پر قادر نہیں ؟ ہاں کیوں نہیں !

تیسری دلیل : یہ ہے کہ اللہ تعالی بارش سے مردہ زمین کو سرسبز اور زرخیز فرمادیتا ہے جس کی وجہ سے اُس میں کھیتیاں ہوجاتی ہیں جو کہ پہلے نہ تھیں، تو اسی طرح یہ سمجھنا کوئی محال نہیں کہ اللہ تعالی مرنے کے بعد مردوں کو زندہ کیسے فرمائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالی بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے :

(وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ) [الحج:٥].

یعنی اور تم زمین کو خشک ملاحظہ کرتے ہو، تو جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ سرسبز ہوکر لہلہاتی ہے اور بڑھتی ہے اور ہر قسم کا خوبصورت سبزہ اگاتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالی کا یہ ارشاد :

(وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَالِكَ الْخُرُوْجُ) [ق:١١]. یعنی اور ہم بارش سے مردہ شہر کو زندہ فرمادیا، اسی طرح نکلنا ہے۔

اور حشر اور معاملہ قیامت اس کے نزدیک پلک جھپکنے کی مقدار برابر بھی نہیں، تو انسانوں کو بعد از ممات پھر زندہ کر دینا کیسے محال ہو سکتا ہے؟

اسی معنی کی طرف باری تعالی کا یہ ارشاد پاک اشارہ کرتا ہے(وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ)

[النحل:٧٧]

یعنی: قیامت کا معاملہ صرف پلک جھپکنے یا وہ اس سے بھی قریب ہے۔

اور فرمایا: (مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ) [لقمان:٢٨]. یعنی تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو مرنے کے بعد اٹھانا ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا.

(حشر اجسام میں باری تعالی کی حکمتیں)

حشرِ اجسام کی بے شمار حکمتیں ہیں اُن میں سے بعض کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے :

پہلی حکمت : لوگ کے درمیان کثیر چیزیں ایسی ہیں جن میں زبردست قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے خواہ سیاست سے تعلق رکھتی ہوں یا میدانِ علم سے یا میدانِ تبلیغ سے؛لہٰذا عقل کہتی ہے کہ کوئی دن ایسا آنا چاہیے کہ ہر میدان میں حق اور باطل کے مابین امتیاز حاصل ہوجائے نظر برآں یہ بزمِ محشر باری تعالی منعقد فرمائے گا۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوْا فِيهِ يَخْتَلِفُوْنَ) [السجدة:٢٥]

یعنی : بے شک آپ کا رب ہی قیامت کے دن جن چیزوں میں وہ جھگڑتے تھے، حتمی فیصلہ فرمائے گا۔

اِسی طرح انعقادِ محشر کی وجہ باری تعالی نے بیان فرمائی ہے : (لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُوْنَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّهُمْ كَانُوْا كَاذِبِيْنَ) [النحل:٣٩].

یعنی : تاکہ وہ اُن کو اختلافی باتوں کا حتمی فیصلہ بیان فرمادے اور تاکہ کفار اپنا جھوٹا ہونا جان لیں۔

دوسری حکمت : یہ ہے کہ لوگوں میں کوئی مومن ہے تو کوئی کافر، تو کوئی خدا کا فرمانبردار تو کوئی خدا کا نافرمان۔ لہٰذا ایک دن ایسا ہونا ضرور ہے کہ جس دن اِطاعت گزاروں کو جزائے خیر اور نافرمانوں کو جزائے شر دی جائے۔ اور اس طرح ہر ایک اپنے کئے کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

اسی معنی کی طرف باری تعالی نے ارشاد فرمایا ہے : (لِيَجْزِيَ اللهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا، كَسَبَتْ) [إبراهيم :٥١]

یعنی : تاکہ اللہ تعالی ہر جان کو اس کے کیے کا بدلہ عطا فرمائے۔

اور یہ بات بھی معقول ہے کہ اگر حشر اور قیامت نہ ہوں تو فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں مساوات لازم آئیگی جو کہ باطل ہے؛ لہٰذا ایک دن ایسا ہونا چاہیے جس دن ابتدائے انتہائے خلق سے خلق کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے اور انہیں بدلہ دیا جائے کما سلف۔

اللہ تعالی کے ارشاد سے بھی یہی مضمون مستفاد ہوتا ہے' ارشاد باری تعالی ہے : (أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَٰكُمْ عَبَثاً وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ) [المومنون:۱۱۵]

یعنی : کیا تم نے یہ گمان کر لیا کہ ہم نے تم کو بے کار بنایا اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے ؟

اور اسی طرح اس ارشاد پاک میں : (أَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ) [الجاثية :۲۱] .

یعنی : کیا جن لوگوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں اُن جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے (کیا) ان کی زندگی اور موت برابر ہوگی؟ وہ کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

(أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ) [القلم:۳۵] یعنی کیا مسلمانوں کو مجرموں سا کر دیں گے ؟

الفصل الثانی

(قبل از قیامت ہونے والے امور کا بیان)

بابِ سمعیات میں کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو قیامت سے پہلے اور موت کے بعد پیش آئینگے' چونکہ یہ بھی اُن امورِ ممکنہ سے ہیں جن کی خبر خود نبی صادق و مصدوق ﷺ نے دی ہے۔ لہٰذا اُن اُمور کی تصدیق اور اُن پر یقین کرنا واجب ہے۔ ان میں سے منکر و نکیر کے سوالات اور عذاب قبر ہے۔

اُن امور ممکنہ میں سے قیامت کی تمام نشانیاں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی داخل ہیں۔ لہٰذا اُن کی تصدیق بھی واجب ہوئی ہے؛ کیونکہ اُن کی تصدیق نبی صادق ﷺ نے فرمائی ہے جیساکہ صحیح البخاری شریف باب اشراط الساعہ میں تفصیل کیساتھ مذکور ہے۔ ان نشانیوں میں دجال کا نکلنا' یاجوج وماجوج کا نکلنا' کوہِ صفا سے دابۃالارض کا نکلنا' اور سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

(عذاب قبر کا ثبوت)

عذاب قبر کے ثبوت پر قرآن و حدیث کی کئیں نصوص وارد ہوئی ہیں جسے اللہ تعالی کا ارشاد ہے : (وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ ، اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا) [غافر:٤٥-٤٦] .

یعنی : اور فرعونیوں کو برے عذاب نے آ گھیرا، آگ جس پر صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں۔

اِسی طرح باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَاراً) - [نوح:٢٥].

یعنی : انہیں ڈبودیا گیا پھر فوراآگ میں داخل کیا گیا۔

وجہ استدلال : یہ ہے کہ اِس آیت کریمہ میں (أُدْخِلُوْا) پر فاء کو داخل کیا گیا ہے۔اور فاء تعقیب کیلئے آتا ہے یعنی کسی چیز کے بعد فوراکسی چیز کا ہونا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں پانی میں غرق کیا گیا پھر فورا اُنہیں آگ میں داخل کیا گیا اور یہ تعذیب موت کے بعد اور قیامت سے پہلے ہے اور ہر وہ تعذیب جو موت کے بعد اور قیامت سے پہلے ہو وہ عذاب قبر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ انہیں عذاب قبر میں مبتلا کیا گیا ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے : (إِسْتَنْزِهُوْا عَنِ الْبَوْلِ؛ فَإِنَّ عَامَّةَ عَذَابِ الْقَبْرِمِنْهُ) یعنی : پیشاب کی چھینٹوں سے بچو کہ عام طورپر عذاب قبر اسی سے ہے .

اِسی طرح باری تعالی کا یہ ارشاد : (یُثَبِّتُ اللهُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الدُّنْیَا وَ الْآخِرَةِ)[إبراهيم :٢٧]

یعنی : اللہ ایمان والوں کو دنیا اور آخرت میں حق بات پر ثابت رکھتا ہے۔

حضرتِ امام بخاری اور حضرتِ امام مسلم رحمہما اللہ تعالی اپنی اپنی " صحیح " میں اور حضرتِ امامِ ترمذی اپنی " سنن " میں حضرتِ سیدنا براء بن عاذب رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ عذابِ قبر کے متعلق نازل ہوئی تھی کہ جب حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا : کہ جب مردہ کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتا تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے ؟ اور جلوہ حضور ﷺ پر نور دکھا کر پوچھتے ہیں : کہ بتا تو اس مرد بر حق کے بارے میں کیا کہتا تھا؟۔

نَسْأَلُ اللهَ الثَّبَاتَ عَلَى الْقَوْلِ الثَّابِتِ عِنْدَ أَسْوِلَةِ الْقَبْرِ

الغرض عذابِ قبر کے بارے میں کئیں آثار بتواترِ معنوی حضور ﷺ اور صحابہ رضوان کی ایک بڑی جماعت جیسے سیدنا ابو سعید خدری ، سیدنا ابو ایوب انصاری ، سیدہ عائشہ ، سیدنا عثمان بن عفان ، سیدنا براء ابن عازب ، سیدہ اسماء بنت ابو بکر ، سیدنا انس ابن مالک ، سیدنا ابو ہریرہ ، اللہ تعالی علیہم الرضوان وغیر ہم سے مروی ہیں۔

اور اہل سنت کا مذہب بھی یہی ہے کہ عذاب قبر ثابت ہے لہٰذا علمائے کرام فرماتے ہیں کہ عذاب قبر کا منکر گمراہ ہے۔

(علاماتِ قیامت کا بیان)

اِسی طرح علاماتِ قیامت کے ثبوت بھی قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں جنھیں کثیر صحابہ کرام نے روایت کیا ہے' جیسے قرآن کریم میں وارد ہے (حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوْجُ وَ مَأْجُوْجُ) [الأنبياء :٩٦]۔

یعنی : جب یاجوج اور ماجوج کو آزاد کر دیا جائے۔

اسی طرح باری تعالی کا ارشاد گرامی : (وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ) [النمل:٨٢]

یعنی : جب ان پر بات آپڑے گی تو ہم ان کے لئے زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو لوگوں سے کلام کرے گا۔

اور باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْساً إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا خَيْراً) [الأنعام:١٥٨]

یعنی : اُس دن کو یاد کرو! کہ جب تیرے رب کی بعض نشانیاں آجائیں گی اُس دن کسی شخص کو اس کا ایمان قبول کرنا نفع نہ دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا جس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ حاصل کی ہوگی۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث میں ہے کہ وہ دن ایسا ہوگا کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نمودار ہوگا'

اور اس دن توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا' اور اس سے پہلے جو توبہ کی شرائط کیساتھ توبہ کرلے تو اس کی توبہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں مقبول ہے اگر وہ چاہے۔

[تیسری فصل : قیامت اور اس کے ہولناک احوال کے بارے میں]

گزشتہ صفحات میں یہ بات تکرار کیساتھ گزری ہے کہ شریعت میں جہاں باری تعالی نے احکامِ عملیہ تعلیم فرمائے ہیں وہیں ان احکام پر عمل کرنے کے نتائج کیلئے ایک دن مقرر فرمایا ہے اور اُس دن کے حوالے سے بہت سے واقعات قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں ان میں سے چند نشانیاں ذکر کئے جاتے ہیں :

(1) : پل صراط پار کرنا' (2) : وزن اعمال' (3) : حساب' (4) : قصاص' (5) : نامہ اعمال کو پڑھنا' (6) نبی ﷺ کا حوض مبارک اور حضور کا شفاعت فرمانا' (7) : اعضاء کا بولنا۔

ان سب پر قرآن و حدیث میں مستقل دلائل قائم کئے گئے ہیں۔ ہم اُنہیں ترتیب وار ذکر کرتے ہیں سب سے پہلے پل صراط کہ اُس کے بارے میں باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (فَاهْدُوْهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْـجَحِيْمِ) – [الصافات:۲۳]

ترجمہ : انہیں جہنم کے پل کی طرف راہ دو۔

اور حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : (يُضْرَبُ الْـجِسْرُ عَلَى جَهَنَّمَ فَيَمُرُّ الْـمُؤْمِنُوْنَ كَطَرَفِ الْعَيْنِ، وَكَالْبَرْقِ، وَكَالرِّيحِ، وَكَالطَّيْرِ، وَكَأَوَاجِدِ الْـخَيْلِ وَالرِّكَابِ، فَنَاجٍ مُسْلِمٌ، وَمَـخْدُوْشٌ مُرْسَلٌ، وَمَكْدُوْسٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ).

اس کے علاوہ متعدد احادیثِ صحیحہ کبار صحابہ و تابعین سے مروی ہیں جن میں سر فہرست سیدنا ابوہریرہ' سیدنا حذیفہ' سیدتنا عائشہ' سیدنا ابو سعید خدری' سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین ہیں کہ جن سے سیدنا امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری' امیر المومنین فی الحدیث امام مسلم بن حجاج القشیری' امام ابو بکر ابن ابی شیبہ وغیر ہم حضرات نے صراط کے متعلق احادیث روایت کیں ہیں' اسی نظریہ پر سلف و خلف کا اجماع ہے' اور یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

میزان العمل کا بیان

میزان العمل سے مراد اعمال کا وزن ہے۔ میزان (ترازو) اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی چیز کی مقدار جانی جائے بایں طور پر کہ ناقص کامل سے ممتاز ہو جائے۔ میزان کو قائم کرنے کی یہ حکمت ہے کہ صلحاء اپنے مقبول اعمال کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سمائیں، اور کفار اپنی نافرمانیوں کا وبال دیکھ کر حسرت میں ڈوب جائیں۔

اِسی معنی کی طرف قرآنِ پاک کی آیت (كَذٰلِكَ يُرِيْـهِمُ اللهُ أَعْمَالَـهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ) [البقرة :١٦٧]

یعنی : اِسی طرح اللہ تعالیٰ کافروں کے اَعمال کو اُن پر حسرت بنا کر دکھائے گا۔

نفسِ میزان حق ہے لیکن اُس کیفیت قرآن واحادیث میں مروی نہیں ہے لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ نفسِ میزان پر یقین رکھیں اور کیفیت خدا تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور آخرت کے میزان کو دنیاوی میزان جس میں آٹا، جو، اور دالیں تولی جاتی ہیں اس پر قیاس نہ کریں۔

یہی مذہب سراجُ الائمہ امامِ اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ وغیرہ علمائے محققین کا مذہب ہے۔ امامِ ابوالحسن اشعری قدس سرہ کے نزدیک اَعمال کے صحیفے میزان میں تولے جائیں گے، معتزلہ نے سوچا کہ اَعمال واَفعال از قبیل مقولہ فعل ہیں، اور مقولہ فعل، مقولہ عرض سے ہے، اور عرض کا بذاتہا کوئی وجود ہی نہیں ہوتا حتیٰ کہ بعض حکماء نے یہ کہہ دیا کہ عرض کا وجود جوہر ہی کا وجود ہے جیسا کہ شیخ الرئیس ابن سینا سے مروی ہے۔

لہٰذا عمل جب مقولہ فعل ہونے کی وجہ سے مقولہ عرض ہوا تو اس کا اپنا وجود نہ ہوا، اور جس چیز کا اپنا وجود نہ ہو وہ موزون کیسے ہو سکتی ہے لہٰذا نص قرآنی میں تاویل کرنی ہوگی کہ میزان سے مراد فیصلہ کرنے میں سو فیصد عدل وانصاف سے کام لینا ہے۔

میزان کے ثبوت پر قرآن وحدیث سے دلائل

قرآنِ مجید اور آحادیثِ مبارکہ اُس کے ثبوت پر ناطق ہوئی ہیں :

باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (وَنَضَعُ الْـمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ) [الأنبياء:٤٧].

ترجمہ : اور ہم قیامت کے دن سچے عدل پر مبنی میزان رکھیں گے۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْـحَقُّ) [الأعراف].

ترجمہ : اور اُس دن وزن کرنا ضرور برحق ہے۔

خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا : (كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيْلَتَانِ فِي الْـمِيْزَانِ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ) [صحيح البخاري ، كتاب الدعوات].

ترجمہ : دو کلمے زبان پر ہلکے ہیں' میزان میں بھاری ہیں' یعنی سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ.

اس کے علاوہ دیگر نصوص شرعیہ وزن اعمال کے ثبوت پر ناطق وشاہد ہیں۔

حساب وکتاب کا بیان

قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کی نُصوص حسابِ اعمال کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، اللہ تعالی کو ان تمام چیزوں کا تفصیلی علم ہے، لیکن حساب لینے میں اس کی حکمت یہ ممکن ہے جب حساب ہو تو اہل محشر کے سامنے متقی اور پرہیزگاروں کی عزت افزائی ہو اور انکے مناقب کا اظہار ہو، اور کافروں کی زبردست ذلت ورسوائی کا تماشہ ہو۔اور یہ کوئی ظلم نہیں؛ کیونکہ ظلم غیر ملک میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں اور سب کے سب لوگ خدا کی مملوک ہیں تو ظلم کیسا؟

حساب کے ثبوت پر قرآن واحادیث سے دلائل:

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَّسِيْراً) [الإنشقاق:٨].

ترجمہ: تو عنقریب اس کا ہلکا حساب لیا جائیگا۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (فوربّك لنسئلنّهم أجمعين، عمّا كانوا يعملون) [الحجر:٩٢].

ترجمہ: تو تیرے رب کی قسم، ہم ضرور ضرور ان سب سے ان کے کاموں کے بارے میں سوال کرینگے۔

خاتم النبیین ﷺ نے ارشاد فرمایا: (مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عُذِّبَ) [صحيح مسلم :باب إثبات الحساب]

ترجمہ: قیامت کے دن جو حساب میں پکڑا جائیگا وہ عذاب پائے گا۔

اسی طرح قصاص بھی ایک اخروی معاملہ ہے جس پر کتاب اللہ تعالی کی یہ آیت: (وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ) [الزمر:٦٩]

یعنی ان کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ کردیا جائیگا۔

نامہ اعمال کا مطالعہ کا بیان

نامہ اعمال کا مطالعہ بھی ایک اُخروی معاملہ ہے جس کے ثبوت و تحقق پر قرآن و آحادیث کی نصوص کثیرہ ناطق ہیں :

باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ، وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنْشُوراً)

[الإسراء:١٣].

ترجمہ : اور ہر انسان کا نامہ اعمال اس کی گردن میں لگادیا ہے اور اُسے بروز حشر اس حال میں نکالیں گے کہ انسان اسے کھلا پائے گا۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ) [الحاقَّة: ١٩].

ترجمہ : پس رہے وہ لوگ جنہیں ان کا نامہ اعمال انکے دائیں ہاتھ میں دیا جائے۔

امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ ، جلیل القدر صحابی سیدنا ابو درداء رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

" میں ہی وہ ذات ہوں جسے بروز حشر سب سے پہلے باری تعالی کو سجدہ کرنے کی اجازت ملے گی ٗاور میں ہی وہ ہوں جو سب سے پہلے اپنا سر اٹھائے گا ٗتو میں اپنے آگے دیکھوں تو دیگر امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لونگا ٗاسی طرح اپنے پیچھے سے ٗ اسی طرح اپنے دائیں طرف سے اور اسی طرح اپنی بائیں جہت سے " ٗ

تو ایک صاحب عرض گزار ہوئے : یارسول اللہ ﷺ آپ اپنی امت کو دیگر امتوں میں کیسے پہچانیں گے ٗ حالانکہ وہاں تو سیدنا نوح علیہ السلام سے لیکر آپ کی امت تک کثیر افراد ہونگے ٗتو ارشاد فرمایا :

" میرے امتیوں کے اعضاء وضوء کی وجہ سے نورانی ہونگے (اور یہ وصف) دیگر امتوں میں سے کسی امت کو حاصل نہ ہوگا' اور میں انہیں پہچان لونگا کہ ان کے نامہ اعمال دائیں ہاتھوں میں دیے جارہے ہوں گے' اور ان کی اولادیں ان کے آگے دوڑتی ہونگی"۔ (مسند الامام احمد بن حنبل' ج: 16'21403/23356).

اس کے علاوہ متعدد احادیث کتب صحاح میں ملاحظہ فرمائیں۔

حوض کوثر کا بیان

حوضِ کوثر وہ مبارک حوض ہے جسے باری تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو عطا فرمایا ہے' باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ) [الكوثر:١]

یعنی : بے شک ہم نے آپ کو حوض کوثر عطا فرمایا۔ جمہور مفسرین نے لفظ "کوثر" سے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : (حَوْضِي مَسِيرَةُ شَهْرٍ، زَوَايَاهُ سَوَاءٌ، مَاؤُهُ أَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ، وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ، وَرِيحُهُ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ، كِيزَانُهُ كَنُجُومِ السَّمَاءِ، فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَا يَظْمَأُ بَعْدَهُ أَبَداً).

یعنی میرے حوض کی مسافت ایک ماہ (چلنے) کی راہ ہے' اور اسکے کنارے برابر ہیں' اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے' اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے' اس کی خوشبو مشک سے زیادہ پاکیزہ ہے' اور اس کے پیالے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں' تو جو اس سے پیئے گا اس کے بعد ہرگز پیاسا نہ ہوگا۔ (صحيح البخاري، كتابُ الرِّقَاقِ، باب الحوض؛ صحيح مسلم ، كتاب الفضائل، بابُ إثباتِ حَوْضِ نَبِيِّنَا ﷺ).

حوض کوثر کے ثبوت میں کثیر آحادیث اجلہ اصحاب کرام نے حضور ﷺ سے روایت کیں ہیں جن میں سیدنا ثوبان' سیدنا ابوذر' سیدنا انس' سیدتنا عائشہ ' سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص' سیدتنا ام سلمہ' سیدنا ابوہریرہ' سیدنا سہل بن سعد' سیدنا عمر بن خطاب' سیدنا جابر بن عبداللہ' سیدنا حذیفہ بن الیمان' سیدنا ابوبرزہ اسلمی وغیرہم علیہم الرحمات والبرکات۔

شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ کا بیان

شفاعت یعنی کسی کی سفارش کرنا' اور اصطلاح عقائد میں شفاعت سے مراد خدا کی بارگاہ میں کسی عاصی کی سفارش کرنا کہ اس کی وجہ سے اس سے عذاب جہنم ختم ہوجائے اور درجات میں بلندی حاصل ہو۔

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا کے اجازت سے سب سے پہلے جو شفاعت کا سلسلہ شروع کروائیں گے وہ حضور اکرم ﷺ کی ذات واحدہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی اس شفاعت کو "شفاعت کبری" کہتے ہیں۔سب سے پہلی شفاعت کا مالک ہونا نبی اکرم ﷺ کا خاصہ ہے پھر انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات پھر دیگر حضرات قدسیہ علماء ' اولیاء ' عرفاء ' حفاظ ' شہداء ' وغیرہم اپنے رب کے حضور اسی کی اجازت سے عاصیان امت کے شافع ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں۔

شفاعت کی اقسام :

شفاعت کی دو اقسام ہیں : (1) شفاعة بالمحبة. (2) : شفاعة بالوجاهة.

شفاعة بالمحبة : وہ شفاعت ہے جس کی قبولیت کا سبب مستشفع الیہ (جس سے سفارش کی گئی) کی شفاعت کرنے والے سے محبت ہے۔

شفاعة بالوجاهة : مستشفع الیہ (جس سے سفارش کی گئی) کی بارگاہ میں شفاعت کرنے والے کو جو وجاہت (عزت و رتبہ) حاصل ہے اس کے سبب شفاعت کا قبول ہونا شفاعت بالوجاہت ہے۔

شفاعت مصطفیٰ ﷺ کے ثبوت پر قرآن و حدیث کے دلائل

باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (عَسٰى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوْداً) [الإسراء: ٧٩].

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَهِيَ نَائِلَةٌ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئاً) [صحيح البخاري / باب لكل نبي دعوةٌ مستجابةٌ] ، [صحيح المسلم / باب اختباء النبي ﷺ].

ترجمہ: ہر نبی کیلئے ایک مقبول دعا ہے، پس ہر نبی کی دعا اس کے حق میں جلدی قبول کر لی جاتی ہے، اور بے شک میں نے اپنی امت کیلئے قیامت کیلئے دعائے شفاعت جمع کر رکھی ہے، (اور) میری شفاعت ہر اس امتی کو ملے گی جو حالت ایمان میں دنیا سے گیا اور اللہ تعالیٰ کیساتھ کسی کو شریک نہ کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (يَخْرُجُ قَوْمٌ مِّنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ، وَيُسَمَّوْنَ: " الْجُهَنَّمِيِّيْنَ". [صحيح البخاري/ باب صفة الجنة و النار].

ترجمہ: لوگوں کا ایک گروہ جہنم سے حضور شافع یوم النشور ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے نکلے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے، اور انہیں "جُهَنَّمِيِّيْنَ" کہا جائیگا۔

بہرحال باب شفاعت میں کثیر آحادیث کبار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے مروی ہیں جن میں سیدنا حذیفہ، وسیدنا ابو ہریرہ، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا انس بن مالک، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدنا ابوامامہ، سیدنا ابو موسیٰ اشعری، سیدنا عمران بن حصین وغیرہم سرفہرست ہیں۔ اور آئمہ اہل سنت کا اسی عقیدہ پر اجماع ہے۔

اعضاء کی شہادت کا بیان

بروزِ حشر باری تعالی لوگوں کے منہ پر مہر کردے گا جس سے وہ بول ہی نہ سکیں گے بلکہ اُن کے اعضائے جسمانی کلام کریں گے اور جو جو انہوں نے کیا ان سب کی گواہی دیں گے۔

اَعضاء کی شہادت پر قرآن کریم اور احادیث سے دلائل :

باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

[النور:٢٤]-

ترجمہ : اُس دن کو یاد کرو (کہ اس دن) ان نافرمانوں کے خلاف انکی زبانیں اور انکے ہاتھ ، اور انکے پاوں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا : (شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ أَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) [فصلت :٢٠].

ترجمہ : انکے خلاف ان کے کان، اور ان کی آنکھیں، اور انکی جلدیں ان کے کرتوتوں کی گواہی دینگی۔

سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ راوی کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : (إِنَّ أَوَّلَ عَظْمٍ مِّنَ الْإِنْسَانِ يَتَكَلَّمُ يَوْمَ يُخْتَمُ عَلَى الْأَفْوَاهِ ، فَخِذُهُ مِنَ الرِّجْلِ الشِّمَالِ)[مسند احمد بن حنبل :17044]

ترجمہ : جس دن اعضاء پر مہر لگادی جائیگی اس دن انسان کے اعضاء میں سب سے پہلے اس کی بائیں پاوں کی ران کلام کرے گی۔

جنت اور دوزخ کی تخلیق کا بیان

اللہ تعالی نے ایک مقام ایسا تیار فرمایا ہے جس میں ایسی نعمتیں اور راحتیں اور آسائش ہیں کہ جن کا خیال کسی انسان کے دل پر گزرا نہ ہی کسی جن کے' باری تعالی نے اُسے اپنے فرمانبردار بندوں کیلئے تیار کیا ہے جس میں وہ مرنے کے بعد داخل ہونے اور خوب اندوز ہونگے۔ جنت کا ذکر باری تعالی نے قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر فرمایا ہے۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ) [الرحمن: ٤٦].

یعنی: جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کیلئے دو جنتیں ہیں۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْراً) [الإنسان: ١٢].

یعنی: مسلمانوں کو انکے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی کپڑے دیے جائیں گے۔

اس کے علاوہ بہت سی آیات ہیں اور احادیث ہیں جن میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے' اور آپ اکثر خطباء سے بھی یہ باتیں سنتے ہی رہتے ہیں۔

اہلِ جنت کیلئے یوں تو باری تعالی نے بے شمار نعمتوں سے جنت کو مزین فرمایا ہے لیکن سب سے بڑی نعمت جو ایک جنتی کو نصیب ہوگی وہ اسے اپنے رب کا دیدار ہوگا' یاد رہے کہ جس طرح ہم دنیا میں کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو مرئی یعنی جسے دیکھا جارہا ہے اس کا آنکھوں کے سامنے ہونا' اس کا مکمل احاطہ ہونا' خط موہوم کا منطبق ہونا یا خروج شعاع کا تحقق ہونا یا مبصر کا جلیدیہ میں سماجانا وغیرہا شرائط عادیہ ہیں۔ ان شرائط کے پائے جانے کی وجہ سے ہمیں کوئی چیز نظر آتی ہے لیکن اللہ تعالی کی جب ہم زیارت کرینگے تو یہ چیزیں وہاں نہ ہونگی' پھر عقل پوچھتی ہے کہ ان شرائط کے بغیر ہم کیسے دیکھیں گے؟ تو جواب یہ ہے کہ جب دیکھیں گے تو آپ کو عرض کردیں گے۔

جنت کی نعمتوں کا بیان

اللہ تعالی نے مسلمانوں کے لئے آخرت میں عیش و عشرت کیلئے ایک ایسی جگہ تیار فرمائی ہے جس میں بے شمار نعمتیں ہیں اور یہ نعمتیں ایسی ہیں کہ اُن کا خیال کسی انسان و جن کے قلب و دماغ پر نہیں گزرا جیساکہ باری تعالی نے ارشاد فرمایا :

(خٰلِدِیْنَ فِیْهَا أَبَداً) [النساء:٥٧]

یعنی : مسلمان جنت میں ہمیشہ رہیں گے کبھی نہ نکلیں گے۔

(وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ) [الحجر:٤٨]

یعنی : اور مسلمان جنت سے نہ نکالے جائیں گے۔

اور مسلمان جب جنت میں داخل ہونگے تو انہیں کبھی بھی موت عارض نہ ہوگی جیساکہ باری تعالی نے ارشاد فرمایا :

(لَایَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْـمَوْتَ) [الدخان :٥٦].

یعنی : مسلمان جنت میں کبھی موت کا منہ نہ دیکھیں گے۔

اور اِن آیات کے علاوہ کبار صحابہ کرام کی احادیث کا مجموعہ علمیہ موجود ہے جسے راویت کرنے والوں میں جلیل القدر صحابہ جیسے سیدنا ابوہریرہ ' سیدنا جریر بن عبد اللہ البجلی ' سیدنا صہیب ' سیدنا ابن عمر ' سیدنا ابو سعید خدری وغیر ہم رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین شامل ہیں۔

باری تعالی ہم اہل سنت کو اپنے فضل سے بے حساب و کتاب بخشے اور دیارِ حبیب ﷺ میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

جہنم کا بیان

باری تعالی نے کافروں اور کبیرہ گناہوں کرنے والے مسلمانوں کیلئے ایک دار ایسا تیار فرمایا ہے جس میں بے انتہاء بے چینیاں، تلخیاں، اور پریشانیاں ہیں۔ اور اس میں مختلف اقسام کے عذابات تیار کیے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں باری تعالی نے مختلف مقامات پر فرمایا ہے کہیں ارشاد فرمایا :

(إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَاداً) [النبأ : ٢١].

یعنی : بے شک دوزخ مجرموں کی تاک میں منتظر ہے۔

(جَزَآءً وِّفَاقاً) [النبأ:٢٦].

یعنی : (یہ) پوری پوری سزا ہے۔

(إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَاراً أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا) [الكهف :٢٩].

یعنی : بے شک ہم نے ظالموں کیلئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی۔

اِس کے علاوہ کثیر احادیث مبارکہ موجود ہیں جس میں رسولِ نذیر ﷺ نے عاصیانِ امت کو ڈرایا۔

تنبیہ ! یادرہے کافروں کا داخلہ جہنم میں دائمی ہے کہ ایک بار داخل ہوئے تو پھر کبھی پلٹ کر نہیں آئیں گے جیساکہ باری تعالی نے ارشاد فرمایا :

(وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَايُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَايُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا) [فاطر:٣٦]

-

یعنی : کفار کیلئے جہنم کی آگ ہے نہ ان کی قضاآئے کہ مر جائیں اور نہ ان پر عذاب کچھ ہلکا کیا جائے۔

باری تعالی نے فرمایا : (فَالْيَوْمَ لَايُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ) [الجاثية :٣٥].

یعنی : تو وہ دن کہ انہیں اس آگ سے نکالا جائے گا اور نہ ہی ان سے دفع عذاب کا کوئی مطالبہ قابل قبول ہو گا۔

اور ارشاد فرمایا : (وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِآیَاتِنَا أُوْلٰئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ، هُمْ فِیْهَا خٰالِدُوْنَ) [البقرة: ۳۹].

یعنی اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

برخلاف گنہگار مسلمان جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہونگے کہ ان میں بعض تو داخل جہنم ہونگے لیکن فضل خدا سے یا حبیب اکرم خاتم النبیین ﷺ یا اولیائے کرام یا علمائے اہل سنت یا شہدائے ملت وغیرہا حضرات کی شفاعت کی برکت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کئے جائیں گے پھر کبھی نہ نکلیں گے۔

باری تعالی ارشاد فرماتا ہے :

(إِنَّ اللهَ لَایَغْفِرُ أَنْ یُشْرَکَ بِهِ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَن یَشَآءُ) [النساء:٤٨].

یعنی : یقینا اللہ تعالی شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں جس کیلئے چاہے گا ' معاف فرمادیگا۔

یہ نکتہ ذہن میں محفوظ رہے کہ کوئی مومن خواہ کتنا ہی گنہگار ہی کیوں نہ ہو جہنم میں نہیں رہے گا جیسا کہ باری تعالی نے فرمایا : (فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَرَهْ) [الزلزلة :٧].

یعنی : جو ذرہ بھر بھی بھلائی کرے گا آخرت میں اسے دیکھے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر بھلائی پر وہ ماجور ہو گا اور جملہ بھلائیوں میں سے ایک بھلائی اس کا ایمان بھی ہے۔ لہٰذا اس پر بھی ماجور ہو گا لیکن برتقدیرِ تخلید اس کا کذب لازم آئیگا اور کذب کلام الٰہی میں ممتنع بالذات ہے۔ اسی لئے باری تعالی نے فرمایا : (وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَن یَشَآءُ) [النساء:٤٨]

اس باب میں بھی باکثرت احادیث موجود ہیں جن کا ذکر کتب صحاح وغیرہا میں مفصلا مذکور ہے۔

خاتمة الكتاب

خاتمہ

(واجب العمل باتیں)

تمام بھلائیوں اور نیکیوں کی قبولیت کا مدار صرف درست عقیدے پر ہے۔ خدا تعالی کی فرض کردہ اشیاء میں سب سے اہم اور سب سے مقدم چیز عقائد کی درستی ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ اس میں کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اب ہم کچھ ایسی باتیں بیان کردیتے ہیں کہ اگر آپ ان پر عمل کریں تو اس مقصد میں بامراد ہونگے اور کچھ وہ باتیں بھی جن سے اگر اجتناب خالص نہ کیا جائے تو انسان نامراد ہوتا ہے اور عقل وخرد کی چھٹی ہو جاتی ہے۔

چار باتوں پر خوب عمل کریں :

(1) : قرآن کریم کی تلاوت اس انداز سے ہو کہ اس کی آیات میں کامل غور و فکر کرے اور اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کرے؛اس کی برکت سے دل روشن ہوتا ہے اور شرح صدر عطا ہوتا ہے جیسا کہ باری تعالی نے ارشاد فرمایا :

(إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَـهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ) [الإسراء:٩].

یعنی : بے شک یہ قرآن اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔

اور باری تعالی نے اپنی اس مقدس کتاب کو "ہدایت"، "رحمت"، "نور"، "شفاء"، "تبیان"، "بشریٰ" اور "بصائر" جیسے اسماء سے موسوم فرمایا ہے۔

حضورِ اکرم نورِ مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "خدا کی کتاب کہ اُس میں متقدمین' متاخرین اور متوسطین کی خبریں موجود ہیں' یہ ایک سیدہی بات ہے مذاق نہیں۔ جس نے اسے از راہ تکبر چھوڑا خدا اسے پیس کر رکھ دے گا اور اسکے علاوہ سے ہدایت حاصل کرنا چاہے گا خدا اسے گمراہ کردے گا' یہ خدا کی مضبوط رسی ہے' اور وہی حکمت والا ذکر ہے' اور وہی سیدہی راہ ہے' اور وہی ہے جس سے خواہشات سیر نہیں ہوتیں' اور نہ ہی زبانیں تھکتی ہیں' اور علماء اس سے سیر نہیں ہوتے' کثرت تلاوت سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے عجائبات تھمتے ہیں یہ وہی کتاب ہے کہ جب جنات نے اسے سنا تو یہ کہے بغیر نہ رہ سکے (إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآناً عَجباً، يَـهْدِيْ إِلىَ الرُّشْدِ فَأٰمَنَّا بِهِ) [الجن:۱-۲]

یعنی: بلا شبہ ہم نے ایک عجیب کلام سنا جو ہدایت کی راہ بتاتا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔

جس نے اُس سے استدلالِ برحق کیا اُس کی تصدیق کی گئی' اور جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے عدل کیا' اس کی طرف جن نے بلایا سیدہے راستے کی طرف راہ دیا گیا۔ (سنن ترمذی/کتاب الفضائل/باب ماجاء فی فضل القرآن)۔

(2): رسول اللہ ﷺ کی احادیث شریفہ کا مطالعہ کرے اور اُن کے کلام بلاغت نظام کو سمجھنے کیلئے غور کرے اور حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے مضامین کو اپنی زندگی میں نافذ کرے؛ جس کے تنیجہ میں جوہر انسانی درجہ کثافت سے نکل کر درجہ لطافت تک آئے گا اور انوار نبویہ ﷺ سے زندگی اور آخرت روشن ہوگی۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا: (وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿٢﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْـهَوٰى)

[النجم :۱-۳].

یعنی: اُس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم! تمہارے صاحب نہ بھکے نہ بے راہ چلے' اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے' وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔

باری تعالی نے ارشاد فرمایا:(قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ) [آل عمرآن: ٣١].

یعنی :آپ فرمادوا گرتم محبوب خدابنا چاہتے ہو تو میری اتباع کروخدا تعالی تمہیں محبوب بنالے گااور تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو مٹادے گا۔

محبوبِ باری تعالی ﷺ نے ارشاد فرمایا: (تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ، وَسُنَّتِيْ).

یعنی: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں' جب تک تم اُنہیں تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ۔

(3): صحابہ وتابعین اور علمائے راسخین کے حالات کا مطالعہ کرے اور ان کی سیرت کو اپنی زندگی کا حصہ بنالے' دین میں ایسے کاموں کے اضافوں سے ہمیشہ بچتا رہے جو کسی سنت کو مٹادے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاجاوگے۔(جامع بیان العلم وفضلہ /895)۔

حضور اکرم ﷺ سے ایک بار عرض کیا گیا کہ نجات پانے والا گروہ کون سا ہے؟ تو ارشاد فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہو۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بدعات سیئہ سے اجتناب کرنا تم پر لازم ہے؛ کیونکہ یہ گمراہی ہے۔ تو تم میں سے جو ایسی چیز کو پائے تو پر لازم ہے کہ مضبوطی کیساتھ میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کو تھامنا لازم ہے' تم ان سنتوں کو خوب مظبوطی سے پکڑ لو!

(4) : خدا تعالی کا خوف ہمیشہ دل میں رکھو یعنی متقی ہو جاو، متقی جیو، اور متقی مر جاو اور کامیاب ہو جاو، نیک کاموں پر استقامت اور عصیان (گناہوں) سے مکمل اجتناب کرو؛ کیونکہ یہ قلبی نگاہ کو نورانی کردیتا ہے جیسا کہ گناہ دل پر ایک پردہ ڈال دیتے ہیں اور وہ ظلمانی ہو جاتا ہے جیسا کہ باری تعالی نے ارشاد فرمایا :

(وَيَزِيْدُ اللهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدىً) [مريم:٧٦]

یعنی اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ انہیں اور ہدایت میں بڑھائے گا۔

اور ارشاد فرمایا : (إِنْ تَتَّقُواْ اللهَ يَـجْعَل لَّكُمْ فُرْقَاناً وَيُكَـفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ) [الأنفال:٢٩].

یعنی : اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہارے لئے معتدل راہ نکال دے گا، اور تمہارے گناہوں کو مٹادے گا۔

یہ آیات دلالت کرتی ہیں کہ اعمال کا بصیرت کے ضعف و قوت پر بہت اثر پڑھتا ہے و نیز اعمال حسنہ بصیرت کیلئے سبب نورانیت ہیں۔ اس کے برخلاف اعمال سئیہ کہ دل کو اندھا اور عقل کو غافل کرنے میں اپنا نظیر نہیں رکھتے، اسی لئے باری تعالی نے ارشاد فرمایا :

(بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوْبِـهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ) [المطففين:١٤].

یعنی : بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال نے زنگ چڑھادیا۔

اور فرمایا : (وَلَاتُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا) [الكهف:٢٨].

یعنی : اس کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا۔

اب وہ امور ذکر کئے جاتے ہیں جن سے اگر اجتناب خالص نہ کیا جائے تو انسان نامراد ہوتا ہے اور عقل و خرد کی مکمل چھٹی ہو جاتی ہے۔

(قابل ترک اعمال در باب عقائد)

یہ صرف دو ہیں :

(1) : غیر شرعی علوم میں بلا ضرورت مشغول نہ ہو جیسا کہ علم الفلسفہ اور علم النجوم ؛ کیونکہ اکثر و بیشتر اُن کے حاملین کا دل سیاہ اور ایمان کمزور ہو جاتا ہے اور مومنین کے دلوں میں اس کا بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ نیز یہ وہ علوم ہیں جن میں کوئی فائدہ نہیں اور نہ ہی انبیاء و مرسلین علیہم السلام ان علوم کو لے کر آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کتب فلسفہ کو دریا بُرد کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا : کہا اگر ان میں کوئی خیر ہو بھی تو اس سے بہترین چیز ہمارے پاس موجود ہے یعنی قرآن پاک۔

(2) : شبہات و تشکیک اور مشتبہ چیزوں میں خود کو مصروف کرنے سے احتراز کرے' اور کفار و نصاریٰ کے مذاہب کے ذکر سے بچے؛ کیونکہ یہ چیزیں دل میں شک پیدا کرتی ہیں جس سے ایمان میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے' اسی لئے حضور ﷺ نے تقدیر اور امور الٰہیہ میں کثرت سوال سے منع فرمایا ہے کہ اس قبل امتیں اس بے وجہ قیل و قال سے برباد کر دی گئیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے امور الٰہیہ سے متعلق سوال کر دیا تو آپ نے اس کی تادیبی کاروائی کی۔ ہم اگر اکابر کی کتب ملاحظہ کریں تو اس میں اجلہ آئمہ و محدثین سے ان امور میں کلام کرنے پر کراہت ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

(اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) [طه : ٥]

یعنی وہ بڑی رحمت والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔

اس آیت کے بارے میں کسی نے سیدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استواء کے بارے میں دریافت کیا' تو امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : استواء معلوم ہے کیفیت مجہول ہے اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

اسی طرح امام شافعی و امام احمد بن حنبل وغیرہا علمائے کرام سے اس سوال پر شدید مذمت ملتی ہے۔

سوال: آپ نے جن علوم کی دل کھول کر مذمت کی ہے اس کی تو اس پر فتن زمانہ میں حاجت ہے؛ کیونکہ مخالفین اور انکے افکار باطلہ کو رد کرنے کیلیئے جسے علم الکلام اور علم الفلسفہ جیسے علوم ہی کام آتے ہیں۔

جواب: اس باب میں مخالفین دو قسم پر ہیں: (1): کفار۔ (2): گمراہان۔

کفار کے عقائدِ باطلہ کو تو قرآن کریم کے دلائل نے تفصیلا منقوض فرمادیا ہے' اسی لئے وہ تمام مخلوقات پر برہان ہے جو باری تعالی کی حقیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی خبر دیتی ہے بشرطیکہ کوئی اس میں تامل صادق کرے۔

اور رہے گمراہان تو بلاضرورت اُن کے اقوال کو نہ نقل کیا جائے نہ ہی ان کی دلیلوں کو؛ کیونکہ کمزور ذہن اور ٹیڑھی طبائع اس وجہ سے باطل کی طرف مائل ہوجاتی ہے۔

ہاں اگر حاجت ہو تو انہیں بیان کرے اور محکم و مضبوط دلائل سے ان کا رد کرے؛ کیونکہ دلائل کے ضعف سے اہل باطل کو تقویت پہنچتی ہے اور وہ تضلیل پر جری ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب خوارج کے فتنے نے زور پکڑا تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے ان کا رد فرما کر ان کا ناطقہ بند کرڈالا۔

اور ہمارے آئمہ متکلمین کو بھی اسی سبب نے رد و ابطال کے میدان میں اتارا جیسے امام ابوالحسن الاشعری کہ فکر اعتزال آپ کے دور میں بڑی تو میدان میں آئے' امام فخر الدین الرازی کے دور میں جب کرامیہ کا فتنہ اٹھا تو آپ نے انہیں دنداں شکست جوابات دے کر انہیں ساکت کیا' امام غزالی کے دور میں جب باطنیہ کا فتنہ اٹھا تو آپ نے اس آگ کو ٹھنڈا کیا تھا جیسا کہ کتب سیر و تاریخ شاہد ہیں۔

سوال : بسا اوقات انسان کے دل پر عجیب و غریب خیالات کا ورود ہوتا ہے اور شیاطین کے وسوسے اُسے پریشان کرتے ہیں تو اُس وقت اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب : بالکل ایسا وقت بھی انسان پر آتا ہے لیکن یاد رہے یہ سب باطنی بیماریوں کا نتیجہ ہے جن کے علاج قرآن مجید اور حدیث شریف میں مروی ہیں ان سب کا خلاصہ چار باتیں ہیں :

(1) : شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے اور قلبی وساوس کی طرف بالکل توجہ نہ دے جیسا کہ باری تعالی نے فرمایا : (وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ إِنَّهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ) [الأعراف:٢٠٠].

یعنی : اگر تجھے شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے، تو اللہ تعالی کی پناہ مانگو، بے شک وہی سننے اور جاننے والا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : اگر کوئی اپنے دل میں وسوسہ پائے تو چاہیے کہ وہ یہ کہے : کہ میں اللہ تعالی پر ایمان لایا۔

(2) : اللہ تعالی کا باکثرت ذکر کرتے رہے ؛ باری تعالی نے فرمایا : (اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللهِ أَلآ بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ) [الرعد:٢٨].

یعنی : جو لوگ ایمان لائے اور انکے دل اللہ کی یاد سے پر سکون ہوتے ہیں، سن لو خدا ہی کی یاد سے ہی دل چین و سکون پاتے ہیں۔

(3) : دلائل اور براہین میں غور وخوض کرتا رہے جیسا کہ باری تعالی نے فرمایا : (إِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ) [الأعراف:٢١٠].

یعنی : وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا، جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آتا ہے تو وہ دلائل میں غور وفکر کرتے ہیں تو اسی وقت اس سے خلاصی پاتے ہیں۔

(4) : جب مسائل عقائد میں کوئی الجھن آجائے تو فورا کسی ماہر سنی عالم سے رجوع کرے؛تاکہ وہ اس شبہ کو اعتقاد بننے سے روکے۔ باری تعالی نے فرمایا : (فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ) [النحل:٢١٠].

یعنی پوچھو علم والو سے اگر تمہیں علم نہ ہو۔